(حاصلِ مطالعہ)

ذکرِ حبیب ﷺ

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک مختصر مطالعہ

دوسرا ایڈیشن

محمد بشیر ہرل

مرتب

محمد بشیر ہرل
0333-6517766

مضمون نگار واٹر ٹریٹمنٹ کی معروف کمپنی بی۔ایچ انڈسٹریز کے سربراہ ہیں۔آپ کو سنجیدہ مطالعہ، حج بیت اللہ سمیت ایشیا یورپ اور امریکہ کے بیشتر ممالک کے سفر، اور مختلف مذاہب کے لوگوں سے تبادلہ خیال کے مواقع میسر رہے ہیں۔

مصنف کی دیگر مختصر تحریریں

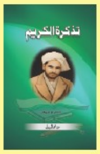

dezignclub
03007619434

نام کتاب	:	ذکرِ حبیب ﷺ
مرتب	:	محمد بشیر ہرل
پہلا ایڈیشن	:	جولائی ۲۰۱۲
دوسرا ایڈیشن	:	جنوری ۲۰۱۳ء
تزئین	:	محمد افضل
صفحات	:	۷۲
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
قیمت		۱۱۵ روپے
ناشر	:	ڈیزائن کلب فیصل آباد ۰۴۱-۲۶۱۹۴۳۴
ملنے کا پتہ	:	الکتاب سٹڈی سرکل ۵۔ چناب مارکیٹ مدینہ ٹاؤن فیصل آباد فون: ۰۴۱-۸۵۵۴۴۶۱

ZIKR E HABIB

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے مرحوم والد گرامی کے نام منسوب کرتا ہوں
جنہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق
عملی طور پر بسر کر کے دکھائی۔

ZIKRE HABIB

فہرست عنوانات

پہلا باب : قبل از اسلام خطہٴ عرب کے رسوم وعقائد

پیش لفظ 4
معاشرت 6
اوہام واعتقادات 9
رسوم ورواج 12
مذاہب 16
دیگر اقوام عالم 27
طلوع اسلام 28

دوسرا باب : حضور اکرمؐ کی شخصی زندگی

نسبِ عالی 31
خانوادہ رسولؐ 32
امہات المومنینؓ 33
آل رسولؐ 39
حضورؐ کا حلیہ مبارک 42
حضورؐ کا لباس 43
حضورؐ کے خدام 44
حضورؐ کے جانور 44
اخلاقِ عالیہ 45
کامل شخصیت 50
ایک کامل لیڈر 52
سادہ طرزِ زندگی 57
حرفِ آخر 59

تیسرا باب : حیات طیبہؐ کے اہم سنگ میل

گوشوارہ واقعات از ولادت باسعادت تا تدفین پیکر اطہر 62
عربوں کے ۱۴ مشہور بتوں کے محل وقوع 72

ZIKR E HABIB

پیش لفظ

ے اے ظہورِ تو، شبابِ زندگی جلوہ ات، تعبیرِ خوابِ زندگی اقبال

میں نے سرور کائنات ﷺ کی نجی زندگی کے متعلق اِس مختصر مضمون کی تدوین کے لئے دیگر کتبِ سیرت و تاریخ کے علاوہ بالخصوص حضرات سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی نعمانی ، مولانا ماہر القادری ، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، مولانا اشرف علی تھانوی ،اور قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تحقیق سے استفادہ کیا ہے۔ میں استاذی المکرّم حضرت مولٰینا مفتی سعید احمد صاحب ایم اے، خطیب جامع مسجد امین، اور مولٰینا حبیب الرحمٰن خلیق صاحب فاضلِ مدینہ یونیورسٹی، خطیب جامع مسجد توحید، اور حضرت مولانا مجاہد الحسینی کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے کمال توجہ سے اس مضمون کا جائزہ لیا، اصلاح فرمائی، اور پسند فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس دوسرے ایڈیشن میں دعوت ، مزاحمت اور غلبہ کا مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس سے غیر مسلموں کے پروپیگنڈہ کے برعکس تاریخی حقائق اپنی اصل صورت میں سامنے آئیں گے۔

شروع میں ایک باب مزید شامل کیا گیا ہے جس میں طلوع اسلام کے وقت خطہ عرب اور باقی دنیا کے مذہبی رسوم وعقائد کی صورتحال بیان کی گئی ہے۔ امید ہے یہ کوشش عام مسلمان قارئین کی معلومات کیلئے مفید ثابت ہوگی۔

ZIKR E HABIB

پہلا باب

قبل از اسلام
خطۂ عرب کے رسوم و عقائد

ZIKR-E-HABIB

بنی نوع انسان پر اسلامی تعلیمات کے صحیح اثرات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ طلوع اسلام سے قبل ارضِ اسلام کے مذہبی وسماجی عقائد و رسوم کو سمجھا جائے۔ امید ہے اس سلسلہ میں یہ کاوش مفید ثابت ہوگی۔ اس مضمون میں طلوعِ اسلام سے متصل عہد کے اعتقادات و رسومات کو شامل کیا گیا ہے۔ قدیمی تہذیبوں کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ مضمون کے مآخذ میں ''ارض القرآن کامل'' از علامہ سید سلیمان ندوی، "History of Muslim Philosophy" از۔ ایم ایم شریف، اور "رحمۃ اللعالمین" از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری بھی شامل ہیں۔

معاشرت

زبان:

کسی بھی قوم کے مذہبی عقائد کو سمجھنے سے قبل ان کے سماجی اور معاشی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔خطۂ عرب بیشتر ریتلا میدانی علاقہ ہے۔جس میں کچھ حصے قابل کاشت لیکن کچھ بالکل صحرائی ہیں۔کہیں کہیں نخلستان موجود ہیں۔لیکن بالعموم زمین بے آباد اور ناقابل کاشت ہے۔چنانچہ شہری آبادیوں کے لئے ناموزوں ہے۔لوگ روایتاً خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ان کی گزر اوقات زیادہ تر بھیڑوں اور اونٹوں پر تھی۔ اور اپنے اپنے گلوں کے لئے پانی اور چارے کی تلاش میں مسلسل محوِ سفر رہتے تھے۔کوئی مستقل مستقر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی ثقافتی بنیاد نہ بن سکی۔کچھ عرب سوداگر اونٹوں پر مہینوں کی مسافت کر کے ان ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے اور اشیاء کا تبادلہ کر کے واپس آجاتے۔اور ہم جن علوم و فنون کو تہذیب کا مظہر سمجھتے ہیں وہ ان سے ناآشنا رہے۔لکھنے پڑھنے کا فن چند افراد تک محدود تھا۔ان کے ذہنی افق محدود تھے اور زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں ہی ان کی ساری توانائیاں صرف ہو جاتی تھیں۔ان کے پاس فلسفیانہ مذہبی ثقافتوں کے لئے فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔ ان کا مذہب سادہ بت پرستی اور چند اقوال زریں پر مبنی تھا۔اگرچہ قدیم عربوں کے پاس کوئی تحریری لٹریچر موجود نہیں تھا۔تاہم ان کی زبان میں بلاغت غیر معمولی تھی۔مجسمہ سازی یا مصوری کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے سارا زور زبان کی نزاکتوں پر تھا۔انہوں نے اپنی زبان کو ایک فنِ لطیف کا درجہ دے دیا تھا۔اور قوتِ اظہار پر جائز طور پر بلا کا فخر کرتے تھے۔چنانچہ

ZIKR-E-HABIB

شاعراورداستان گوجتنی زیادہ قدرتِ کلام اور بلاغت کا اظہار کر سکتے ان کی عزت اور مرتبہ اتنا ہی بلند ہوتا۔

تمدن:

خطۂ عرب کی معاشرت قبائلی تھی۔ عہد حاضر کی طرح اس دور میں بھی قبیلے خونی رشتوں پر مبنی ہوتے تھے۔ خاندان اور قبیلے کا انفرادی اور اجتماعی سطح پر دفاع وحفاظت ایک مقدس فریضہ تھا۔ اگر کوئی عزیز مدد مانگتا تو انکار ناممکن تھا۔ حق ناحق کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مکہ کی آبادی آنحضرتؐ سے چند پشت پہلے تک صرف خیموں پر مشتمل تھی۔ پتھر یا مٹی کی کوئی عمارت نہیں تھی سوائے کعبہ کے۔ کوئی با قاعدہ حکومت نہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خود مختار تھا۔ جس کا جس پر بس چلتا اس کو مار ڈالتا اوراس کے مال پر قابض ہو جاتا۔ زنا، جوا، رہزنی، قتل وخونریزی ان کا معمول تھے۔ حجاز کا صوبہ قریش کا وطن تھا۔ مکہ میں یہی خاندان دوسو پچاس سال تک مالک و غالب رہا۔ لیکن حضورؐ کی ولادت باسعادت سے تقریبا ایک سو پچاس سال قبل حالت ایسی ہوگئی تھی کہ دوسرے قبائل نے قریش کو دبا لیا تھا۔ اس دور میں قصی بن کلاب نے اسلام سے تقریباً ایک سو پچاس برس پیشتر، شام سے حجاز آکر تہذیبی زندگی متعارف کروائی۔ قصی بن کلاب جس کی پرورش شام میں ہوئی تھی۔ اور وہاں کے تہذیبی معاشرتی اور قانونی ڈھانچہ سے واقف و متاثر تھا، اس نے آکر مکہ میں بھی قریش کے منتشر اجزاء کو اکٹھا کیا اور چند چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت بن گئی۔ جس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی سی تھی۔ جیسی کہ اس سے پیشتر یونان میں ایتھنز اور اسپارٹا ہو گزری تھیں۔ قصی نے انصرام حکومت کے لئے مذہبی، جنگی، اور عدالتی شعبے قائم کیے۔ اور چھوٹا سا دارلحکومت

دارالندوہ کے نام سے بنایا۔ ہر قسم کے اجتماعی، تجارتی، عدالتی، اور سیاسی احکام اور فیصلے حتی کہ شادی بیاہ اور بلوغ کی رسوم اور تجارتی قافلوں کی روانگی وغیرہ، جملہ داخلی اور خارجی امور یہیں بیٹھ کر طے ہوتے۔ (قریش نے حضور اکرمؐ کے قتل کا فیصلہ بھی اسی ایوانِ عدالت میں بیٹھ کر کیا تھا)۔ تعلیم و تعلم کا رواج نہیں تھا۔ البتہ بازاروں منڈیوں کی ضرورت کے پیش نظر کوئی کوئی منشی پڑھا لکھا ہوتا۔

اخلاقی اقدار:

اگر چہ قدیم عربوں کی زندگی پر کسی معین مذہب کا غلبہ نہیں تھا۔ تاہم ان کو بالکل لا قانونی معاشرہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ عربوں کا صنم پرست معاشرہ بھی کچھ اقدار اور اصولوں پر مبنی تھا۔ وہاں نہ کوئی تحریری ضابطے موجود تھے نہ قانونی یا مذہبی پابندیاں۔ البتہ روایت اور رائے عامہ کا ان پر براہ راست بہت اثر تھا۔ اور ان کی اخلاقی اور سماجی اقدار اس عہد کی شاعری میں واضح شکل میں محفوظ ہیں۔ عہد کی پابندی، میدان جنگ میں شجاعت، تکلیف کے وقت صبر، اپنے قبیلے سے وفاداری، غربا کے ساتھ سخاوت، امانت داری، فراخدلانہ مہمان نوازی، اور جذبۂ انتقام میں پختگی اعلی ترین اخلاقی جوہر گردانے جاتے تھے۔ حاتم طائی کی داستان فخریہ بیان کی جاتی، اور شاعروں کے کلام شجاعت کی داستانوں سے بھرے ہوتے۔ اسی طرح انتقام کی نظمیں اس وقت تک پڑھی جاتی رہتیں جب تک بدلہ نہ لے لیا جاتا۔ جاہلانہ غرور و تفاخر ان کی سب سے بڑی برائی تھی۔ صرف اس کی بناء پر اکثر لڑائیاں اور خون ریزی ہوتی۔ اور اسی کی وجہ سے بے گناہ بچیاں بسا اوقات پیدا ہوتے ہی دفن کر دی جاتیں۔

اوہام واعتقادات

جن بھوت:

متعدد دیوتاؤں کے علاوہ مشرکین عرب جنات اور بھوت پریت کے بھی قائل تھے۔ (لفظ جن کا مطلب چھپا ہوا، یا ڈھکا ہوا)۔ ان کو خدا یا خدا کے ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ان کی دہائی مانگتے تھے، اور ان کے غضب سے ڈرتے تھے۔ عموماً جنوں کو شرارتی مخلوق تصور کیا جاتا تھا۔ اور ان کے ساتھ ڈر اور خوف وابستہ تھا۔ خالی جگہوں کو ان کا مسکن تصور کیا جاتا۔ جنوں سے منسوب کہانیوں میں لوگوں کو اٹھا لے جانے، یا لوگوں پر قبضہ کر لینے کا تصور عام تھا۔ جنوں کو خدا کا شریک بھی سمجھا جاتا اور ان کے نام سے نذر نیاز بھی دی جاتی۔

روح:

قدیم عرب میں روح کا تصور انسانی بدن سے مختلف، ہوا کی قسم کا تھا۔ یہ تصور اتنا پختہ تھا کہ سانس کے لئے عربی لفظ "نفس" پوری انسانی شخصیت کے لئے مستعمل ہو گیا۔ اس تصور کو مزید پختگی اس مشاہدہ سے ملتی ہے کہ انسان جب سانس لینا بند کر دیتا ہے تو مر جاتا ہے۔ خیال تھا کہ موت کے وقت سانس اور زندگی، مادی بدن سے ناک منہ کے رستے نکل جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں انسانی روح کے لئے دونوں لفظ (روح اور نفس) استعمال ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص قتل ہو جاتا تو یہ خیال عام تھا کہ اس کی روح قاتل کے خون کی پیاسی رہتی ہے۔ اس کا انتقام نہ لیا جائے تو اس کی روح اس وقت تک اس کی قبر پر الو کی شکل میں ظاہر ہو کر اسقنی اسقنی (میری پیاس بجھاؤ) پکارتی رہتی ہے، جب تک کہ اس کا انتقام نہ لے لیا جائے۔

حیات بعدازموت:

قبل از اسلام میت کی تدفین کی رسوم سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی قسم کی حیات بعداز موت کے بھی قائل تھے۔ مثلاً کسی سردار کی موت کے بعد ایک اونٹ کو اس کی قبر پر بٹھا دیا جاتا حتیٰ کہ وہ بھوک پیاس سے مر جاتا۔ تصور تھا کہ یہ اونٹ مرنے والے کی خدمت پر مامور تھا۔ اس طرح مردوں کی قبروں پر جا کر جانور ذبح کرنے کی رسم عرب میں آج تک زندہ ہے۔ قدیم عرب شاعری میں اپنے پیاروں کی قبر پر اکثر بارش کی تمنا ہوتی تھی۔ وہیں سے ہمارے تصورات میں بھی ''آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے'' وغیرہ احساسات در آئے ہیں۔ اگرچہ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرنے والوں کا کچھ نہ کچھ تعلق باقی سمجھا جاتا تھا، لیکن یہ تصور گرد آلود اور مبہم تھا۔ کوئی واضح عقیدہ نہیں تھا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں بتایا گیا، ان لوگوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو آدمی دوبارہ کیسے زندہ ہو سکے گا۔ حیات بعدازموت یا جواب دہی کا واضح تصور ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا۔ مشرکین عرب کو سب سے زیادہ دو باتوں کی تسلیم سے سخت انکار تھا۔ ایک حشر ونشر کے اعتقاد اور دوسرے رسالت ونبوت کے دعوے سے چنانچہ رہ رہ کر ان کو تعجب ہوتا تھا کہ کیا مر کر بھی کوئی جی سکتا ہے اور آدمی ہو کر بھی کوئی خدا کا فرستادہ بن سکتا ہے۔

مقدر:

عموماً قدیم اہل عرب قسمت پر شاکر ہوتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ وہ کتنا بھی بھاگ لیں، جتنی بھی کوشش کر لیں، وہ مقدر کے لکھے کو ٹال نہیں سکتے۔ واقعات کو زمانے کے تغیر کی پیداوار سمجھتے تھے۔ صروف الدہر (زمانے کی لائی ہوئی تبدیلیاں) اس دور میں ایک عام اصطلاح

تھی جیسا کہ ہم ''انقلاباتِ زمانہ'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، ۔دنیا میں اگرچہ انسان کہیں بھی تقدیر پر قادر نہیں ہے۔لیکن عرب کے شدید اور سخت زمینی وموسمی ماحول میں تو انسان خاص طور پر تقدیر کے رحم وکرم پر ہی ہوتا تھا۔کسی دشمن قبیلے کا اچانک حملہ، یا مال مویشی کی وبائی اموات کسی بھی رئیس کو رات بھر میں کنگال بنا سکتے تھے۔طویل خشک سالی کی صورت میں فلاکت اور ہلاکت آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتی تھی ۔چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ صحرا کی مخصوص صورتحال نے قدیم عرب معاشرے میں قسمت پر اعتقاد بہت پختہ کر دیا تھا۔اس طرح اَن دیکھی قسمت کے آگے انسان کی مکمل بے بسی نے عربوں کے اندر صبر وشکر کا ایک تصور پیدا کر دیا تھا۔اور صابر وشاکر ہونا ایک خوبی تصور ہوتا تھا۔ بجائے کڑھتے رہنے کے انہوں نے شاکر رہنے میں سہارا ڈھونڈ لیا تھا۔اسلام کی ابتدائی صدیوں میں قسمت کے لکھے کا تصور بدستور جاری رہا اور شاید اب بھی جاری ہے۔البتہ اس کا دہر، یا وقت کی چال سے تعلق اسلام نے توڑ دیا۔

رسوم ورواج

قربانی:

قبل از اسلام دور کے عرب اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ کی قربانی کرتے تھے۔گوشت کھا لیتے اور خون بعض اوقات بتوں پر مل دیتے۔ان کا عقیدہ تھا کہ قربانی سے دیوتا خوش ہوتے ہیں اور یہ انہیں دیوتاؤں سے قریب کر دیتی ہے۔

عقیقہ:

یہودیوں کی طرح عرب بھی نومولود بچوں کے لئے جانور قربان کیا کرتے۔بچے کی پیدائش کے چند روز بعد اس کے سر کے بال مونڈ دیئے جاتے اور اس کی طرف سے ایک بھیڑ یا بکری قربان کر دی جاتی۔اسلام میں یہ رسم جاری رہی اور عقیقہ کے نام سے اب بھی زندہ ہے۔

ختنہ:

دینِ حنیف کی رسمی علامتوں میں سب سے بڑی علامت ختنہ ہے جو اولادِ ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہے۔عربوں میں یہ رسم ہمیشہ سے موجود تھی۔اسی طرح عبادت کی چیزوں میں بیت اللہ (جسے وہ بیتِ ابراہیم کہتے تھے) کا طواف دینِ ابراہیم کی سب سے پرانی یادگار ہے۔ عرب نے اپنے باپ کی ان پرانی یادگاروں کو ہمیشہ قائم رکھا اور ظہور اسلام تک یہ شعائر باقی تھے۔البتہ توحید وغیرہ کے عقائد اکثر سینوں سے محو ہو گئے تھے۔اسی بناء پر عرب میں حنیف کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ جس کے ختنے ہوئے ہوں اور جس نے حج کیا ہو۔

ZIKR E HABIB

کعبہ

گوتمام عرب کے معبد صرف عبادت کا مقام ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ سالانہ اجتماعات کے بھی کام آتے۔ رفتہ رفتہ سالانہ زیارتیں میلوں منڈیوں کی شکل اختیار کر گئیں۔اسی قسم کا ایک معبد مکہ میں بھی موجود تھا۔مکہ کا شہر یمن سے شام جانے والے تجارتی قافلوں کی راہ میں پڑتا۔ یہ بحیرہ احمر سے 50 میل دور ہونے کی وجہ سے سے قزاقوں سے بھی محفوظ تھا۔اور چاہ زم زم کے وافر میٹھے پانی کی وجہ سے بھی اہم تھا۔یہ ایک سادہ سی مکعب شکل کی پتھر کی عمارت تھی ۔اس وجہ سے عرب اسے کعبہ (مکعب) کہتے تھے۔اس کے ایک کونے میں کالے رنگ کا ایک پتھر بھی تھا۔ جسے کالا پتھر یا عربی میں حجر اسود بھی کہتے ہیں۔کعبہ کے اندر ہبل دیوتا کا بت تھا۔ جو مکہ کے قبائل کا سب سے بڑا بت تھا۔جس کے قدموں میں ایک چھوٹا سا گڑھا بنا تھا۔جس میں پجاری نذر نیاز رکھ دیتے۔ ہبل کے علاوہ مکہ میں لات، منات، اورعزہ کی پوجا ہوتی۔ ان کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔اس طرح رفتہ رفتہ خانہ کعبہ پورے خطۂ عرب کا مرکز ومحور بن گیا تھا۔طلوع اسلام کے وقت خانہ کعبہ کے اندر بت رکھے ہوئے تھے۔یہ سارے بت پتھر کی مورتیاں نہ تھیں، کہ اتنی تعداد تو کعبہ کے اندر سما بھی نہیں سکتی تھی، بلکہ ان میں خاصی تعداد رنگین تصاویر کی تھی۔دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ خطۂ عرب کے ہر حصہ کے لوگوں نے اس حرمِ محترم میں اپنے اپنے بت لاکر رکھ دیئے تھے۔چونکہ بتوں کے علاوہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسماعیلؑ ، اور حضرت مریمؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ اس لئے کعبہ عرب یہودیوں ، اسماعیلی عربوں اور عیسائیوں کے لئے بھی مرجع القلوب سمجھا جاتا تھا۔

حج کعبہ:

گوتمام عرب میں مقامی بت خانے تھے۔ جہاں مراسم ادا ہوتے تھے، اور مقامی میلے بھی لگتے تھےلیکن تمام ملک کا سالانہ اجتماع صرف مکہ ہی کی سرزمین میں ہوتا تھا۔ ملک کے ہر گوشے سے لوگ یہاں یکجا ہوتے تھے۔ یمن سے شام اور شام سے یمن کی سمت جانے والے تجارتی قافلے بھی حج کے موقع پر یہاں اکھٹے ہو جاتے۔ عہد قدیم سے ہی کعبہ ایک عظیم سالانہ زیارت اور اجتماع کا مرکز بن چکا تھا۔ جس میں خطۂ عرب کا ہر قبیلہ حصہ لیتا تھا۔ اتنے بڑے اجتماع کو پر امن رکھنے کے لئے ماہ ذوالحج (جو ہمیشہ موسم بہار میں ہوتا، اور جس میں یہ اجتماع ہوتا تھا)، اوراس کے علاوہ اس سے پہلے والے ماہ ذوالقعد اور بعد والے ماہ محرم کو یعنی تین مہینوں کو مقدس قرار دے دیا گیا تھا جن میں خون ریزی نہیں کی جا سکتی تھی۔ تین ماہ کا یہ عرصہ عرب کے ہر گوشہ سے آنے اور واپس جانے کے لئے کافی تھا۔ مکہ کے آس پاس کے علاقہ کو بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اور لوگ اس کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے اپنے ہتھیار اتار دیتے تھے۔ اس سالانہ زیارت اور اجتماع کو حج کہا جاتا تھا۔ اس اجتماع کے دوران تجارت معاہدے اور رشتے ناطے بھی ہوا کرتے۔ **طواف**: حج کے دوران زائرین کو کچھ مخصوص اعمال کرنا ہوتے تھے جو کئی دن جاری رہتے، مثلاً حدود مکہ میں داخل ہوتے ہی شکار، لڑائی، جھگڑا، عورت سے ملاپ وغیرہ ممنوع ہو جاتے۔ کعبہ کا طواف کیا جاتا اور ایک کونے میں نصب شدہ حجرِ اسود کو بوسہ دیا جاتا۔ **وقوفِ عرفات**: اہم ترین رکن ۹ ذوالحج کو جبلِ عرفات (جبلِ رحمت) کی زیارت تھا۔ زائرین ملحقہ میدان میں اکھٹے ہو جاتے۔ اور غروب آفتاب تک وہاں قیام کرتے جسے وقوفِ عرفات کہا جاتا۔ اس کے بعد لوگ مزدلفہ جاتے۔ یہاں لوگ رات کو قیام کرتے اور صبح

ہوتے ہی زائرین منیٰ کے میدان کو لوٹ جاتے جہاں جا کر وہ جانوروں کی قربانی کرتے۔ یہ قربانی کے جانور وہ اپنے ساتھ لائے ہوتے اور ان کو خوب سجایا گیا ہوتا۔ منیٰ میں تین دن قیام کے دوران لوگ (شیطان سے منسوب) تین معینہ مقامات پر کنکریاں بھی پھینکتے۔ یہ عمل حج کا لازمی حصہ تھا۔ تین دن منیٰ میں قیام کے بعد قافلے کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔ عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ حج ادا کرتی تھیں۔ حج کو حضورؐ نے اسلام کے ایک رکن کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ اس کے ارکان میں کچھ بنیادی ترامیم اور اصلاحات فرمائیں جن کا بنیادی مقصد اس مبارک اجتماع کا بت پرستی سے تعلق توڑنا تھا۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ''حج اس طرح کرو جس طرح مجھے کرتے دیکھا ہے''۔

مناۃ کا حج:

بیت اللہ شریف کے حج کے علاوہ، مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید کے مقام پر نصب بت مناۃ کا بھی حج کیا جاتا۔ اوس، خزرج اور بنوخزاعہ کے لوگ تو اس کے بہت معتقد تھے۔ حج بیت اللہ اور عرفات و منیٰ سے فارغ ہوتے ہی مناۃ کی زیارت کے لئے لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہونے لگتیں اور مناۃ کے پاس جا کر اس کا حج اور طواف کیا جاتا اور قربانیاں کی جاتیں۔ جو لوگ اس دوسرے حج کی نیت کر لیتے وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے۔

(سیرۃ سرور دوعالم ص ۵۷۵ بحوالہ تفہیم القرآن، سورۃ نجم، حاشیہ نمبر۱۰)

مذاہب:

طلوعِ اسلام سے پیشتر، خطۂ عرب میں مذہب کی ابتدائی اشکال (۱) گزرے ہوئے نیک لوگوں کی پرستش (۲) Forces of Nature کی پرستش اور (۳) ستارہ پرستی موجود تھیں۔شرک کے علاوہ، حنفیت، صابئیت، مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کے پیروکار بھی خطۂ عرب میں موجود تھے۔ملحد اور دہریے بھی آباد تھے جو حیات و موت کو اتفاق سمجھتے۔ خدا کی ہستی کا اقرار اور جزا وسزا کا تصور ان کے نزدیک قابلِ تمسخر خیال تھا۔

شرک:

قدیم اشعار، قرآنی آیات، اور بعد کے اسلامی لٹریچر سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم عرب میں بالعموم کئی دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ان کا عام قومی مذہب ستاروں اور روحوں کے خیالی مجسموں کی پرستش تھا۔لیکن وہ ہر قسم کے دیوتاؤں اور دیویوں کے قائل تھے۔ بتوں کو سجدہ کرتے تھے ،جنات کے علاوہ فرشتوں کو نذر چڑھاتے تھے۔ ہر قبیلہ کا اپنا خدا ہوتا جو عقیدت کا محور اور مذہبی رسومات کا مرکز ہوتا۔تاہم ایک قوتِ عظیم کے وجود سے بے خبر نہ تھے،جس کو وہ اللہ کہتے تھے۔آسمان اور زمین کی پیدائش اور اس کارخانہءفطرت کے اور بڑے بڑے کام اسی کے دست قدرت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔شعراء جاہلیت کے کلام میں اللہ کا نام بکثرت آتا ہے۔اور اسی کی طرف تمام افعال منسوب ہوتے ہیں۔ خطرہ یا تکلیف کے وقت وہ اللہ ہی کو پکارتے اگرچہ خطرہ ٹلتے ہی اللہ کو طاق میں رکھ دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے متعدد نائب خداؤں کے بھی قائل اور پیروکار تھے۔ان بتوں، دیوتاؤں اور فرشتوں کو اللہ

ZIKR E HABIB

کے عزیز و اقارب یا اس کی بارگاہ کے مقرب درباری سمجھتے تھے۔ اور ان کی پرستش اور عبادت اس لئے کرتے تا کہ وہ خوش ہو کر اللہ کو ان سے راضی رکھیں۔ ان کا تصور تھا کہ ان کے یہ خدا اللہ کے ہاں ان کی سفارش کرتے ہیں اور، ان کے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہیں۔ عرب کے مشہور بت لات، وَد، یغوث وغیرہ پہلے زمانہ کے نیک بزرگوں کے ہی نام تھے۔ بعد میں اہل عرب ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے ان کی مورتیاں اور تصویریں بنا کر پوجنے لگ گئے۔ اور اپنے کھیتوں کی پیداوار اور اپنے جانوروں میں سے اللہ کے علاوہ ان بتوں کے نام کا حصہ بھی نکالتے تھے تا کہ ان بتوں کی مہربانیاں ان کے شامل حال رہیں۔ خطہ ءعرب کا قدیمی مذہب دینِ ابراہیمی تھا، بت پرستی اُن کے ہاں عَمر بن لُحی نامی ایک شخص نے شروع کی تھی۔ اکثر بت شام کے علاقہ سے لا کر خانہ کعبہ اور اطراف مکہ میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ مشرکین عرب اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے۔ وہی دن نکالتا اور رات لاتا ہے اور اسی نے آفتاب و ماہتاب کو وجود بخشا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یہ کام لات، منات، عزیٰ یا کسی اور دیوتا کے ہیں۔ لیکن ان میں یہ غلط عقیدہ جڑ پکڑ گیا تھا کہ یہ بت مہربان رہیں تو اللہ ان سے خوش رہتا ہے۔

بت (اصنام):

بت پرست عرب جن بے شمار دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے ان میں سے کچھ بت محض تصوراتی ہیولٰی ہوتے، مثلاً جَد (یعنی قسمت)، رضا (یعنی حمایت)، وَد (یعنی دوستی)، یا مناف (یعنی سر بلندی یا بلند مقام)۔ ان کی پوجا باقاعدہ بت بنا کر کی جاتی تھی۔ کچھ بتوں کے نام ان مقامات سے منسوب تھے جہاں ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ مثلاً ذوالخلاصہ۔ یہ سفید سنگ

مرمر کا بت تھا جس کے سر پر پھولوں کی شکل کا ایک تاج بنایا گیا تھا۔اس کا ہیکل مکہ سے سات منزل جنوب کی طرف واقع تھا۔فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے حکم سے اسے جلا دیا گیا تھا۔اجرام فلکی یا مظاہر قدرت کے بتوں کا قدیم عرب میں خاص مقام تھا۔جیسے کہ شمس (سورج دیوتا) کا معبد بھی ہوتا اور بت بھی۔اور بہت سے قبائل اس کے پجاری ہوتے۔ملک کے اکثر علاقوں میں عبدالشّمس نام پایا جاتا تھا۔بارش کی دیوی کا نام ثریا تھا۔آفتاب ومہتاب کی پرستش کا بہت رواج تھا۔بہت سے بتوں کے نام سے ہی ان کی اہمیت واضح تھی۔الما لک یعنی بادشاہ، یا بُعل یعنی آقا۔ ایک دیوی العزیٰ یعنی سب سے زورآور، کی بہت عظمت مانی جاتی تھی۔ یہ بت ایک چار دیواری میں ایک درخت کے نیچے نصب تھا۔جس کا ہیکل مکہ سے چند میل دور، نخلہ کے مقام پر تھا۔ بُعل کا بڑا سا بت قصی بن کلاب بعثتِ نبوی سے ڈیڑھ سو سال پہلے شام سے لایا تھا۔اور مرکزیت کی علامت کے طور پر مکہ کے شمالی جانب نصب کروادیا تھا۔ تین دیویوں کو نسبتاً زیادہ تقدس حاصل تھا۔اور ان تینوں (لات،منات،اور عزیٰ) کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔لات ایک گول سفید پتھر تھا۔اس پر ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور اس کا ہیکل طائف میں تھا۔منات قربانی کا دیوتا تھا۔یہ مکہ سے شمال کی طرف بحر احمر کے کنارے نصب تھا۔اس کا حج بھی کیا جاتا۔اس کا نام منیٰ سے مشتق ہے۔جس کا مطلب ہے بہانا۔اسی سے میدان منیٰ کا نام ماخوذ ہے۔جو قربانی یا خون بہانے کی جگہ ہے۔سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا جو خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ یہ بت اَن گھڑ پتھر بھی ہوتے اور قدرے مہارت سے تراشے ہوئے بھی۔ان کو صنم کہا جاتا۔ ان کو گھروں کے علاوہ معبد میں رکھا جاتا اور وہیں نذر نیاز اور قربانی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ان دیوی دیوتاؤں کے مظاہر کے طور پر انھوں نے لکڑی اور پتھر کے بت بنا رکھے تھے۔ ان کے آگے فال کے پانسے ڈالتے اور ان پر چڑھاوے

چڑھاتے۔ درختوں کی پوجا کے شواہد بھی ملتے ہیں۔یہی عقیدہ یعنی اللہ کے اختیارات میں کسی نائب کو شریک کرنا ہی شرک ہے۔اسلام اسی شرک کو مٹانے آیا اور داعیِ اسلام نے اسی تصورِ شرک کو ناقابل معافی گناہ قرار دیا۔ اور شرک کی شدید ترین ممانعت کر دی۔

معبد اور کاہن:

مصریوں اور یونانیوں کے برعکس، عربوں کے معبد سادہ عمارتیں ہوتی تھیں۔بعض اوقات صرف ایک چاردیواری حتی کہ محض ایک دیوار ہی پتھروں سے چن دی جاتی۔ یہ عمارت خود بھی محترم ہوتی اور بسا اوقات اس کے آس پاس کی جگہ بھی محترم ہوتی۔بعض بڑے معبدوں میں پجاری بھی ہوتے جو دیکھ بھال کے علاوہ زائرین کو پوجا کرواتے۔ یہ پجاری نسلاً بعد نسلاً ایک ہی خاندان سے چلے آتے۔ ان پجاریوں کو کاہن بھی کہا جاتا۔عام طور پر ان خاندانوں کو دیوتا کے پیارے سمجھا جاتا۔اور یہ مافوق الفطرت صلاحیت کے مالک سمجھے جاتے۔قسمت کا حال بتاتے،منتروں کے وظائف بتاتے،واقعات کی پیش گوئی کرتے اور دم وغیرہ کرتے۔اکا دکا عورت کاہن بھی پائی جاتی تھی۔ (ذرا آج کے حال پر بھی غور فرمایئے)۔ عربوں کی روایات میں کاہنوں کی داستانوں اور ان کے اقوال زریں خوب مشہور تھے۔ یہ نثری نظمیں دلچسپ الفاظ پر مشتمل، اور سٹائل میں دلفریب ہوتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے جامع فقرے، جن کا مقطع ہم وزن ہوتا۔شروع شروع میں وحی کا بھی یہی سٹائل تھا۔ (جیسے کہ قرآن پاک کی آخری سورتیں)۔لیکن بلندیِ مضامین کاہنوں کی عامیانہ سطح سے کہیں برتر تھی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کاہنوں کے اقوال بالعموم کسی قسم سے شروع ہوتے تھے جیسے، قسم ہے زمین کی، قسم ہے آسمان کی، قسم ہے سورج کی، روشنی، تاریکی، درخت، یا

کسی جانور کی، کفار مکہ قرآن پاک میں ایسے طرز بیان کو بھی کہانت سے تعبیر کرتے جس کی اللہ تعالیٰ اور حضورؐ نے سختی سے تردید کی۔

صابئیت :

صابئیت یعنی ستارہ پرستی طلوعِ اسلام کے وقت زیادہ تر جنوبی علاقوں اور اہلِ یمن میں نظر آتی تھی اور کسی قدر شمالی علاقوں میں بھی۔ یہ قدیم مذہب یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور مشرکانہ عقائد سے بالکل الگ اور مختلف تھا۔ یہ لوگ توحید کے قائل تھے۔ اور تاثیرِ کواکب کے قائل تھے۔ خدا اور بندوں کے درمیان ستاروں کو رابطہ سمجھتے تھے۔ اور ان کو پوجتے تاکہ وہ خوش رہیں۔ ان ستاروں کے لئے مخصوص عبادت خانے بناتے۔ ایک بڑا مندر سورج کے لئے بنا رکھا تھا، ایک چاند کے لئے۔ اسی طرح زہرہ، مشتری اور عطارد، مریخ اور زحل کے مندر تھے۔ اور ایک مندر علتِ اولیٰ کے لئے بھی تھا۔ ہر ستارے کے لئے الگ عبادت اور دعا مخصوص تھی۔ (ان کے برعکس حنفاء رسالت کے قائل اور صاحب رسالت ہی کو خدا اور انسان کے درمیان رابطہ سمجھتے تھے)۔ توحید کے مسائل ان کے ہاں بہت مضبوط تھے۔ لیکن رسالت کے منکر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک سب کو جھوٹے سمجھتے تھے۔ صرف حضرت یحییٰؑ بن ذکریاؑ کو سچے پیغمبر سمجھتے تھے جن کو یہودیوں نے قتل کر دیا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ کسی قتل کی پاداش میں یہودی زمین پر پراگندہ کر دیئے گئے۔ یہ لوگ روزانہ تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ یعنی صبح طلوع آفتاب کے وقت، دوپہر کو عین زوال کے وقت اور شام کو غروب آفتاب سے عین قبل۔ (یہی وجہ ہے کہ ان تین اوقات میں اسلام میں نماز ممنوع ہے تاکہ مماثلت نہ پیدا ہو)۔ ہر نماز کی پانچ رکعت ہوتی اور ہر رکعت میں تین سجدے۔ قطبی ستارہ

چونکہ ہمیشہ قطب شمالی کیطرف ہی رہتا ہے۔ اور اپنی جگہ تبدیل نہیں کرتا۔ اس لئے اسی کی طرف منہ کر کے نماز، دعائیں اور مناجات پڑھتے تھے۔ دن میں 3 مرتبہ ہر نماز کے لئے غسل کرتے۔ یہ لوگ سال کے مختلف ایام میں کل ملا کر 28 روزے رکھتے۔ لیکن روزہ کا مطلب صرف آرام تھا۔ فاقہ سخت ممنوع تھا۔ یہ لوگ قربانی کثرت سے کرتے لیکن گوشت نہیں کھاتے تھے بلکہ جلا دیتے تھے۔ صابئیت کا مولد بابل (عراق) ہے۔ جہاں ستارہ پرستی مدتِ مدید سے جاری تھی۔ اہل دمشق کا مذہب بھی عیسائیت سے پہلے یہی تھا۔ چونکہ ان کی نماز کا قبلہ قطب شمالی تھا اسلئے دمشق میں بہت سی کہنہ مساجد ایسی ہیں جن کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف بھی تھا۔ دمشق کی جامع مسجد کے نیچے ایک بڑا معبد ہے جس کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف ہے۔ یہ ان ہی لوگوں کا معبد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دمشق کی اسلامی سلطنت میں بھی یہ لوگ اعلیٰ عہدوں پر رہے ہیں۔ کچھ صابئین بغداد میں بھی طبیب یا منشی رہے۔ آج کل یہ کالعدم ہیں۔

مجوسیت:

خطۂ عرب میں یہ قدیم ایرانی آتش پرست مذہب صرف مشرقی علاقوں اور وہ بھی خال خال پایا جاتا تھا۔ اس کا بانی زرتشت تھا۔ یہ لوگ خود کو مجوسی نہیں کہتے۔ بلکہ فارسی میں مَغ کہتے۔ مجوسی کا لفظ یونانی سے عرب میں در آیا تھا۔ زرتشت خود توحید کا قائل تھا لیکن ان کے مذہب و اخلاق کو مزدک کی گمراہیوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا، حتیٰ کہ سگی بہن سے نکاح تک ان میں رواج پا گیا تھا۔ یہ لوگ " آہورمزدا" کو خدائے واحِد مانتے ہیں اور اس کے ماتحت دو دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ ایک ''یزدان'' جو روشنی نیکی اور خیر کا دیوتا ہے۔ اور دوسرا "اہرمن" جو

ظلمت اور شر کا دیوتا ہے۔ اس مذہب کا وجود خطہ عرب میں بس برائے نام ہی تھا۔

دہریت:

عربوں میں ایک تعداد دہریوں کی بھی تھی۔ یہ اللہ بلکہ کسی بھی خالق کے قائل نہیں۔ یہ کہتے تھے "زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی چیز ہلاک نہیں کرتی" (القرآن) ۔ کہتے کہ اشیاء کی کوئی ابتدا نہیں۔ اشیاء صرف قوت سے فعل کی طرف نکل کر آتی ہیں۔ لہٰذا جو چیز پہلے باالقوۃ ہو جب وہ فعل کی طرف نکل کر آ جائے تو اشیاء کے مرکبات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں کسی اور چیز سے پیدا نہیں ہوتے۔ جہان ازل سے ہے اور اسی طرح ابد تک چلتا رہے گا۔ اس میں نہ تغیر پیدا ہوگا نہ زوال۔ یہ جہان خود ہی ان اجزا کو جو اس کے اندر ہیں، مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے۔ (بلوغ الادب) ۔ خطہ عرب میں ان کی تعداد قابلِ لحاظ نہیں تھی لیکن موجود تھے۔

عیسائیت:

ایک اور مذہب جو عربوں کی بت پرستی کا مخالف تھا۔ وہ تھی عیسائیت۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ عیسائیت کب اور کہاں سے عرب میں داخل ہوئی البتہ یہ پتہ لگتا ہے کہ مصر میں جو روم کی عیسائی حکومت قائم تھی وہ جب افریقی ساحلوں تک پہنچی تو 330 عیسوی کے لگ بھگ وہاں سے یمن میں بھی سرائیت کرنے لگی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ عیسائیت جنوبی عرب میں بالخصوص نجران، اور پورے عرب میں بالعموم، حضور کی بعثت کے وقت معروف و موجود تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جنوبی علاقہ نجران میں عیسائی شام سے آکر آباد ہوئے۔ اور حمورابی بادشاہ ذونواس کے شدید ظلم کے باوجود اس کی جڑیں کمزور نہیں ہوئی تھیں۔ ذونواس کے زوال کے بعد بھی عیسائی

موجود تھے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے کزن ورقہ بن نوفل بھی عیسائی راہب تھے۔ شام کی سرحد کے قریب وادیِ فرات اور غسان میں بھی کچھ عیسائی قبائل موجود تھے۔ یہ عیسائی بالعموم عباداللہ (اللہ کے غلام) کے نام سے معروف تھے۔ ان کی وجہ سے عربوں میں عیسائیت اور وحدانیت قدرے سرائیت کرچکی تھی۔ نہ جانے کیوں، اہل عرب کو بالعموم حضرت عیسیٰ سے الفت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں بھی جب ابن مریم کا بیان ہوتا تو وہ بھڑک اٹھتے کہ عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہمارے دیوتاؤں سے کس بات میں اچھا ہے۔

یہودیت:

طلوع اسلام سے قبل کی صدی میں عرب میں بت پرستی کے علاوہ یہودیت کے پیروکار بھی قابل لحاظ تعداد میں موجود تھے۔ فلسطین پر ٹوٹنے والی ہر آفت کے نتیجہ میں یہودی مہاجرین کا ایک نیا ریلا عرب میں آداخل ہوتا۔ بعض اوقات یہ لوگ یمن تک جا پہنچتے۔ سنہ 70 عیسوی میں ٹائٹس کے فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد یہودی مہاجرین مدینہ میں آکر آباد ہوگئے۔ اور خوب پھلے پھولے۔ یثرب سے شام تک اکثر سرسبز مقامات یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ حجاز کے دیگر شمالی علاقوں میں بھی یہودی آباد تھے۔ حضورؐ کے عہد میں تین بڑے یہودی قبائل، بنونضیر، بنو قریظہ، اور بنوقینقاع اور اہل خیبر مدینہ کے مضافات میں رہتے تھے۔ ملکی و غیر ملکی تجارت بالخصوص غلے اور شراب کی درآمد، چھوہاروں کی برآمد، مرغ بانی، ماہی گیری اور پارچہ بافی ان کے ہاتھ میں تھی۔ سود کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ اس طرح ان کی معاشی حالت یثرب کے عربوں سے بہتر تھی اور وہاں کی سیاسی صورتحال میں خاصی موثر حیثیت کے حامل تھے۔ ان آبادیوں میں ان کے اپنے علماء اور عبادت گاہیں تھیں۔ یہاں انھوں نے ایک بیت المدارس

ZIKRE HABIB

بھی بنا رکھا تھا جہاں اپنی مذہبی کتابوں کا عربی ترجمہ کر کے عربوں کو سنایا کرتے تھے۔ یثرب میں یہودیوں کے مذہبی تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں بھی (جو کہ قریش تھے) لوگ نذر مانتے کہ بچہ اگر زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے۔ان کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مقامی رشتہ داریوں کی وجہ سے عرب کلچر اور زبان میں گھل مل چکے تھے۔ زبان لباس تہذیب وتمدن ہر لحاظ سے انہوں نے عربیت کا رنگ اختیار کر لیا تھا حتیٰ کہ ان کی غالب اکثریت کے نام بھی عربی ہو گئے تھے۔لیکن اس سب کے باوجود وہ عربوں میں جذب بالکل نہ ہوئے تھے۔ وہ لوگ اپنے یہودی مذہب پر مضبوطی سے کاربند رہے۔ اور ان ہی کی وجہ سے عرب میں توحید کا تصور بھی دوبارہ کروٹیں لینے لگا تھا۔ تاہم بعثت کے وقت ہمسایہ قوموں کے اثر سے ان میں بت پرستی بھی قائم ہو چکی تھی۔

ملتِ حنیف:

اہل عرب کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیمؑ کا لقب تھا اس لئے ان کے مذہب کا نام ملت ِ حنیف معروف تھا۔حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اصلاً اسی دینِ ابراہیمی یا دینِ حنیف پر قائم تھی۔ یہ لوگ شرک باللہ، قتلِ ناحق اور زنا سے پرہیز کرتے تھے۔خانہ کعبہ ان کے نزدیک بہت مقدس تھا۔ جب وہاں سے کسی اور مقام کے لئے چلنے لگتے تو تبرکاً یا رواجاً ایک پتھر ساتھ اٹھا لیتے۔ بعد میں آہستہ آہستہ خانہ کعبہ کا امتیاز اٹھ گیا۔اور کوئی سا چکنا پتھر اٹھا کر اس کو بطور بت اپنے پاس رکھ لیتے۔ اسلام سے کچھ پہلے، جب یہودی اور عیسائی مذہب عربوں میں فروغ پانے کے لئے ہر طرح سے کوشاں تھے، پرانے مذہب دین حنیف کو (جس کا صرف ڈھانچہ رہ گیا تھا) بعض نیک فطرت عربوں نے نئے سرے سے زندہ کرنا چاہا۔ چنانچہ طلوعِ اسلام

سے پیشتر ہی خطۂ عرب میں شرک کی جڑیں کمزور ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ بتوں کے بارے میں ان کا تصور تو موہوم تھا ہی، عرب کے مختلف علاقہ میں کئی ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے تھے۔ دین حنیف والی وحدانیت پر کاربند ہونے لگے تھے۔ اور کسی بہتر قابل فہم عقیدہ کے متلاشی تھے۔ ایسے لوگ تعداد میں کافی تھے۔ اور یہ لوگ اپنے عقیدہ کو دین حنیف کہتے تھے لیکن ان لوگوں کو وحی کی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ جو کہ مشیت ایزدی نے حضورؐ کے لئے مقدر کر رکھی تھی۔

اللہ، خدائے برتر:

خطۂ عرب کے لوگ بیشمار نائب خداؤں کی پوجا کے باوجود ایک خدائے بزرگ و برتر کے پوری طرح قائل تھے جسے وہ اللہ کہتے تھے۔ شمالی عرب بالخصوص اور سارے خطہ عرب کی شاعری میں بالعموم اللہ کا لفظ بطور عظیم دیوتا کثرت سے استعمال ہوتا تھا۔ خود قرآن مجید نے بھی تصدیق کی ہے کہ وہ لوگ اللہ کو برتر و بالا اور عظیم ترین مانتے تھے۔ ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی معبودوں کو مانتے تھے۔ نیک بزرگ لوگوں اور مظاہر قدرت کو اس کا شریک بناتے، ان کے بت بنا کر پوجتے اور ان سے مدد مانگتے۔ حضور اکرمؐ کی اور دین اسلام کی جنگ اسی کے خلاف تھی۔ یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ وحدانیت کا درس دیتے وقت اسلام نے کسی نئے خدا کے وجود کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بلکہ یہ تعلیم دی کہ صرف اللہ ہی بلا شرکت غیرے معبود ہے، اور واحد خدا ہے۔ وہی اللہ جس کو وہ لوگ پہلے ہی برتر و بالا مانتے تھے۔ اگرچہ خطۂ عرب زیادہ تر شرک کی بدترین شکل کا پیروکار تھا، تاہم چھٹی صدی عیسوی تک یہود و نصاریٰ بھی عرب میں قدرے قدم جما چکے تھے۔ اور اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے چلے جا رہے

تھے۔ بت پرستی سے بیزاری کا سلسلہ کسی حد تک شروع ہو چکا تھا۔ دینِ حنیف کے پیروکار بھی کروٹیں بدل رہے تھے اور اپنے محو شدہ عقائد کو دوبارہ بیدار کر رہے تھے۔ یا یوں کہیئے کہ مشیت بتدریج اسلام کے لئے زمین ہموار کرتی جارہی تھی۔

ZIKR E HABIB

بعثت کے وقت دیگر اقوامِ عالم کی حالت

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت یورپ میں جہالت اور درندگی کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی آباد تھے۔ وہاں کے کچھ علاقوں میں بت پرستی ہوتی تھی۔ فرانس میں پادریوں نے بہت سی بیہودگیاں روا کر رکھی تھیں، ہنگری انتہائی وحشی اور ناشائستہ قوم کے ہاتھوں میں تھا، ایران میں زرتشت جو آپ سے ۱۲ سو سال پہلے ہو گزرا تھا، اسکے پیرو مُزدکی غالب تھے جنہوں نے زن، زر، زمین کو وقفِ عام قرار دے دیا تھا، حضرت عیسیٰؑ کو پانچ سو سال ہو چکے تھے اور عیسائیت روم میں قدم جما چکی تھی، ہندوستان میں گوتم بدھ کو گزرے ہزار سال ہو چکے تھے، ۲ صدی سے پرانوں کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور حضورؐ کے وقت "بام مارگی" فرقہ غالب تھا جو مندروں میں مرد و عورت کے برہنہ بت رکھتے، عبادت خانوں کے در و دیوار پر فحش تصاویر کندہ کرتے اور ان کی پرستش کرواتے تھے، چین میں اپنے بادشاہ کو آسمان کا فرزند سمجھا جاتا، ہر کام کے لیے علیحدہ بت مقرر تھے اور بتوں کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔ کنفیوشس آپ کی بعثت سے ۱۱۰۰ سال پہلے ہو گزرا تھا، اور اس کی تعلیمات کا مذہبی تقدس ماند پڑ چکا تھا۔ مصر میں عیسائیت زوروں پر تھی، پادری مختلف فرقوں کی تشکیل، دوسرے فرقوں کی تکفیر اور ان کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے کے فتوے دینے میں مصروف تھے۔ البتہ حضورؐ کے عالمِ شباب (۵۹۰ء تا ۶۰۴ء) میں پاپائے روم گریگوری دی گریٹ بھی کلیسا میں علمی اور انتظامی اصلاحات میں مصروف رہا ہے۔ اسکی موت ۶۰۴ء میں ہوئی جب حضورؐ کی عمرِ عزیز ۳۳ برس تھی۔ اسی طرح عین بعثت کے مکی دور میں جاپان کے اندر بدھ مت کی ترویج شروع ہوئی اور ۲ھ میں یعنی ۶۲۴ء میں بالآخر بدھ مت جاپان کا سرکاری مذہب قرار پا گیا۔

طلوعِ اسلام

یہ تھے وہ حالات جن میں خالقِ کائنات نے بالآخر پورے عالم کیلیے اپنے آخری نبیؐ اور مکمل دین کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دینِ اسلام، جس نے مجوسیت کی سورج پرستی، شرک کی صنم پرستی، صابئیت کی ستارہ پرستی، یہودیوں کی تحریف شدہ کتب اور عیسائیوں کی تثلیث کی مکمل نفی کر کے صرف اللہ کے ایک معبودِ واحد ہونے کا تصور پختہ کر دیا۔ عقائد، معاملات اور اعمال کی تفصیلی تعلیم دی۔ عملی تربیت کی۔ اور قانون سازی کر دی تا کہ قیامت تک رہنمائی میسر رہے۔ اور ساتھ ہی یہ سرٹیفکیٹ جاری کر دیا "ان الدین عند اللہ الاسلام" اور "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی"۔ دین اسلام نے شرک کی جڑ نظریاتی اور عملی طور اکھاڑ کر رکھ دی۔ تمام باطل مذاہب کو ختم کر کے یہ حرفِ آخر نافذ کر دیا کہ " قد جاء الحق و ذھق الباطل، انالباطل کان ذھوقا"۔ اسلام ہی وہ بہترین معاشرتی دستور ہے جو تمام قبائل، اقوام، نسلوں اور رنگوں کی برابری کو تسلیم اور نافذ کرتا ہے۔ فرد کی آزادی، ملکیت کا حق، دفاع کا حق، عزت و ناموس کے تحفظ کا حق، تجارت کے آداب، ملکیت سے وراثت تک کے قوانین، غرض پہلا سانس لینے سے جان دینے تک ایک ایک قدم کی رہنمائی کرتا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ جو افراد، معاشرے اور قومیں اس نظام حیات پر عمل پیرا رہیں گے وہی امن، عزت اور وقار کے ساتھ سرخرو رہیں گے۔ اور اس دین کے پہنچانے کے لیے حضور سرورِ کائنات ﷺ جیسی کامل و اکمل شخصیت کا انتخاب کیا گیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

دوسرا باب

حضور اکرمؐ کی شخصی زندگی

لبوں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ بوسے نطق نے بڑھ کر مری زباں کے لئے

ZIKR E HABIB

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، واشہد ان محمد عبدہ و رسولہ۔

تاریخ انسانی میں ایک سے ایک بڑا آدمی پیدا ہوتا رہا۔ مذہبی اکابر، دینی پیشوا، اور انبیاء تشریف لاتے رہے۔ جن کے احترام سے آج بھی سینے معمور ہیں۔ لیکن ان تمام اکابر کی زندگیوں کے متعلق دنیا بہت کم جانتی ہے۔ ان کے معلوم احوال نہایت ناکافی اور نامکمل ہیں اور واقعات کی بہت سی کڑیاں گم ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ، سکندر اعظم اور کنفیوشس کے حالات بھی اگرچہ کافی مذکور ہیں، تاہم کسی درجہ اختصار، ابہام اور انتشار کا شکار ہیں۔ لیکن پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سینوں اور تحریروں میں محفوظ ہے تو وہ خاتم النبیین رحمتہ العالمین کی مقدس زندگی ہے۔ پھر آنحضور کی سوانح حیات جس احتیاط اور فرض شناسی کے ساتھ جمع کی گئی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ رسول اللّٰہؐ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بات کرنے، کھانا کھانے کی ایک ایک ادا کو امت نے محفوظ کر رکھا ہے۔ صوم وصلوٰۃ سے لیکر میدانِ جنگ تک حضورؐ کے ہر قول اور گفتار و کردار کو صحابہ کرامؓ نے لوحِ قلب اور دماغ میں نقل کیا، اور دوسروں تک کمال احتیاط اور دانش کے ساتھ پہنچایا ہے۔ آپؐ نے کسی صحابی کا نام بدلا، کوئی بات کہہ کر حضورؐ خود مسکرائے، یا کسی دینی معاملے پر خفگی کا اظہار فرمایا، غرض خلوت اور جلوت کی تمام جزئیات محفوظ ہیں۔

ZIKR E HABIB

نسبِ عالی

اہلِ عرب سام ابنِ نوح کی اولاد ہیں اور ان میں سے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہاشمی قبیلہ میں حضور تشریف آور ہوئے۔ یہ ہاشمی قبیلہ نہ صرف قریش بلکہ دیگر تمام عرب قبائل میں ممتاز اور افضل تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی۔ یہ یمن سے شام تک پورے خطہ عرب میں پھیل گئے. اور بحرِ ہند اور بحرِ احمر جیسے تمدنی و تجارتی ساحل ان کے قبضہ میں آ گئے۔ اسی نسل میں فہر پیدا ہوئے جن کا لقب قریش تھا۔ یہ بہت زیرک اور شجاع تھے۔ ان کی ساتویں نسل میں کلاب کے گھر قصی پیدا ہوئے۔ قبیلہ قریش میں یہ پہلا شخص ہے جس نے عربوں کو چھ سو برس کی ذلت و خواری کے بعد مکہ میں باقاعدہ ایک ریاست کا مالک بنایا جس کا انتظام جمہوری اصولوں پر ہوتا تھا۔ اس طرح قصی بن کلاب قریش کے پہلے واجب الاطاعت سردار بنے۔ قصی کے پوتے ہاشم کی اولاد ہاشمی کہلائی۔ جنابِ ہاشم، حسین، مدبر اور صالح سردار تھے. مگر ہاشم کا بھتیجا اُمیہ نہ جانے کیوں اپنے چچا سے حسد کرتا تھا۔ اسی حسد و رقابت میں ہاشم سے ایک مقابلہ میں ہار جانے پر اسے دس برس کے لئے جلاوطن بھی رہنا پڑا۔ ہاشم نے ہی تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ باہر لے جانے کی روایت ڈالی تھی۔ ہاشم سفرِ شام کے دوران وفات پا گئے تو آپ کا بیٹا شیبہ اپنے چچا مطلب کے ہاں پروان چڑھا اور اسی وجہ سے عبدالمطلب کہلایا۔ اِنہیں عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ کے گھر میں دونوں جہانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۹ یا ۱۲) ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے۔

خانوادہِ رسول ﷺ

آپؐ کے ۹ چچا تھے۔ جن میں سے ۲، حضرت حمزہ اور حضرت عباس، نے اسلام قبول کیا تھا۔ ۶ پھوپھیاں تھیں جن میں صرف ایک، حضرت صفیہ نے اسلام قبول کیا۔ حضورؐ کی ۱۱، ازواج اور ۲ باندیاں مذکور ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنی زندگی میں ۲۵ برس تک اکیلی زوجہ رہیں۔ ان کی وفات کے بعد حضورؐ کے نکاح میں ۱۲، ازواج آئیں جن میں سے ۲، حضرت ریحانہ اور حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ باندیاں ہیں۔ ان ۱۳ میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ماریہ قبطیہ کنواری تھیں۔ باقی سب مطلقہ یا بیوہ تھیں۔

دشمنوں کا شادیوں پر اعتراض

نبی کریم نے ابتدائی ۲۵ سال کمال تجرد سے گزارے۔ عین عالم شباب میں، ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ سالہ بیوہ کے ساتھ نکاح کرنے سے دشمنوں کا اعتراض خود ہی پامال ہو جاتا ہے کہ شادیوں کا محرک نفسانی جذبہ تھا۔ ۵۰ سال عمر تک کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آپ کی جوانی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزر گئی جو آپ سے عمر میں دوگنی تھیں اور دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی والدہ بن چکی تھیں۔ اُن سے کمال محبت وسلوک سے یہ زمانہ گزارا، اور کمال وفادارانہ سلوک رکھا، بلکہ فوت ہو جانے کے بعد بھی یاد کو تازہ کیا کرتے تھے۔ ۵۰ سال عمر کے بعد بھی سوائے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ماریہ قبطیہ کے ساری ازواج مطہرات یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ عرب میں بیواؤں سے شادی نہ کرنے کا سختی سے رواج تھا اور جن عورتوں کے شوہر مر جاتے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے تھے۔ آپؐ نے اس بری رسم کے بندھن توڑ دیئے اور مختلف قبائل کے ساتھ رشتہ داری کر کے انکی حمایت بھی حاصل کی کیونکہ عربوں میں دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا اہم ذریعہ تھا۔ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ حضورؐ کی نجی زندگی کے حالات ان ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ تفصیل سے اُمت تک پہنچے۔

امہات المومنین

ام زوجہ مطہرہ	قبیلہ	کیفیت بوقت نکاح	عمر بوقت نکاح	عمر مبارک حضورؐ	سن وفات	عمر بوقت وفات
حضرت خدیجہ	قریش	بیوہ	۴۰	۲۵	۱۰ نبوی	۶۵
حضرت سودہ	قریش	بیوہ	۳۰	۵۰	۲۲ھ	۵۵
ت عائشہ بنت ابوبکر	قریش	کنواری	۹ یا ۱۰	۵۰	۵۷ھ	۶۶
ت حفصہ بنت عمر	قریش	بیوہ	۱۸	۵۵	۴۵ھ	۶۰
ت زینب ام المساکین	قریش	بیوہ	۳۰	۵۶	۳ھ	۳۰
حضرت ام سلمہ	قریش	بیوہ	۲۵	۵۷	۶۳ھ	۸۴
ت زینب بنت جحش	قریش	مطلقہ	۳۸	۵۸	۲۰ھ	۵۳
حضرت جویریہ	بنو مصطلق یہود	بیوہ	۲۰	۵۸	۵۰ھ	۶۵
حضرت ریحانہ	بنو قریظہ یہود	مطلقہ	۲۰	۵۹	۹ھ	۲۳
ضرت ماریہ قبطیہ	مصری/قبطی	کنواری	۸	۵۹	؟	؟
ام حبیبہ بنت ابوسفیان	قریش	بیوہ	۳۵	۵۹	۴۴ھ	۷۳
رت صفیہ بنت حیی	بنو نضیر یہود	بیوہ	۱۷	۶۰	۵۰ھ	۶۰
حضرت میمونہ	بنو عامر	مطلقہ	۲۷	۶۰	۵۱ھ	۷۱

ہے (یعنی وہ کنیزیں جو ہمبستری کے لئے ہوں) مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مبارک پوری نے ابوعبیدہ کے حوالے سے حضرت جمیلہ اور مزید ایک اور باندی کا ت

(1) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

نبوت سے ۱۵ برس پہلے جب حضورؐ کی عمر مبارک ۲۵ برس تھی۔ تو آپ کے ساتھ نکاح ہوا۔ حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں اور بیوہ تھیں۔ حق مہر ۵۰۰ طلائی درہم مہر مقرر رہوا۔ ۲۵ برس بعد ۶۵ سال کی عمر میں مکہ میں ہی یعنی ہجرت سے ۳ سال پہلے انتقال فرمایا۔ اس وقت نمازِ جنازہ ابھی مشروع نہیں تھی۔ چنانچہ اسی طرح سپردِ خاک کی گئیں۔ آپ سب سے پہلی اسلام قبول کرنے والی خاتون تھیں۔ حضورؐ کے لئے آپ کی شخصیت کا وقار بہت بڑا سہارا تھا۔ اور سوائے ابراہیم کے ساری اولاد بھی ان ہی کے بطن سے تھی۔

(2) حضرت سَودہؓ

یہ ابتدائے نبوت میں ہی مشرف بہ اسلام ہوچکی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ۱۰ نبوی میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ ۴۰۰ درہم مہر مقرر رہوا۔ بلند قامت اور فربہ اندام تھیں۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ کی تین غیر شادی شدہ بیٹیوں کی پرورش سنبھالی۔ (بڑی بیٹی زینب کی شادی ہوچکی تھی)۔ حضورؐ کے ۱۲ سال بعد ۲۲ھ میں وفات پائی۔

(3) حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت ابوبکر کی دوسری بیٹی تھیں۔ حق مہر ۵۰۰ درہم مقرر رہوا سنہ ۱۰ نبوی میں کم سنی میں ہی آپؐ کے نکاح میں آئیں اور ۳ سال بعد مدینہ جاکر سنہ ۱ھ میں رخصتی ہوئی تو حضورؐ کی عمر مبارک ۵۳ برس تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات سنہ ۵۷ھ میں ہوئی، یعنی حضورؐ کے بعد ۴۷ برس زندہ رہیں وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۶۶ برس تھی۔ آپ حضورؐ کی مزاج شناس محبوب رفیقہِ حیات تھیں۔ آپ نے عائلی معاملات پر حضورؐ کی احادیث بالصّراحت بیان فرمائی ہیں۔ آپ

سے ۲۲۱۱ احادیث منقول ہیں۔

(4) حضرت حفصہ بنت عمرؓ

حضرت عمر بن الخطاب کی بیٹی تھیں۔آپ کے مزاج میں حضرت عمرؓ کی طرح قدرے تیزی تھی۔ ہجرت کے ۲ سال بعد ۱۸ برس کی عمر میں بیوہ ہوگئیں تو حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔اس وقت حضور کی عمرؓ مبارک ۵۵ برس تھی۔حضرت حفصہ نے حضورؐ کے ۳۵ برس بعد سنہ ۴۵ ھ میں بعمر ۶۰ برس وفات پائی۔آپ سے نکاح میں خالص اسلامی اغراض اور دینی مصالح تھے۔

(5) حضرت زینبؓ، ام المساکین

ان کے شوہر عبداللہ بن جحش نے جنگ احد ۳ ھ میں شہادت پائی اور آنحضرتؐ نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا۔نکاح کے صرف ۲ یا ۳ مہینے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔آنحضرتؐ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی نکاح اور وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ برس تھی اور حضور کی عمر مبارک ۵۶ برس تھی

(6) حضرت اُم سلمہؓ

انھوں نے اپنے شوہر ابوسلمہ کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی ہجرت بھی کی۔مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ان کے شوہر ابوسلمہ جنگ اُحد کے زخموں کی وجہ سے انتقال کر گئے تو ۴ ھ میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔آپ نے حضورؐ کے ۵۳ سال بعد ۶۳ ہجری میں ۸۴ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔آپ نے ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں وفات پائی۔

(7) حضرت زینبؓ بنت جحش

حضرت عبدالمطلب کی نواسی تھیں۔یعنی حضور کی پھوپھی زاد۔آپ کا پہلا نکاح حضورؐ کے آزاد

ZIKR E HABIB

کردہ متبنیٰ زید بن حارثہ سے ہوا تھا، لیکن دونوں میں بن نہ سکی۔ ذیعقد ۵ ھ میں ان سے طلاق کے بعد آپ کا نکاح حضورؐ سے ہوا۔ اس وقت اِن کی عمر ۳۸ برس تھی۔ آپ جمال میں بھی ممتاز اور حضور کو بہت محبوب تھیں۔ آپ نے ۵۳ برس کی عمر پائی۔ اور حضورؐ کے ۱۰ برس بعد ۲۰ ھ میں وفات پائی۔ یہ نکاح ایک بدرسم کو مٹانے کے لیے کیا گیا کہ متبنیٰ کی بیوی نکاح میں نہیں آسکتی، اور نبیِ کریمؐ انہی بدرسوم کو مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے۔

(8) حضرت جویریہؓ بنت حارث

آپ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں اور ۵ ھ میں جنگی قیدی بن کر آئیں تھیں۔ حضورؐ نے ان کی خاندانی نجابت کا خیال کرتے ہوئے ان کو آزاد کر کے خود ان سے نکاح کرلیا۔ اصل نام برّہ تھا۔ حضورؐ نے نکاح کے وقت نام تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ ان سے نکاح کے بعد حضورؐ نے ان کے قبیلہ کے سارے قیدی آزاد کر دیئے۔ جو ۱۰۰ سے زیادہ تھے۔ آپ نے حضورؐ کے ۴۰ سال بعد ۵۰ ھ میں ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کا باپ مشہور راہزن اور مسلمانوں کے ساتھ خاص عداوت رکھتا تھا۔ اس تزویج کے بعد مخالف جنگ میں کبھی شریک نہ ہوا بلکہ قذاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کرلی۔

(9) حضرت ریحانہؓ

سنہ ۶ ھ میں جب مسلمان بنی قریظہ پر غالب آئے تو جنگی قیدی بن کر آئیں بعض روایات کے مطابق آپؐ نے ان کو آزاد فرما کر ۱۲ اوقیہ سونا حق مہر کے عوض ان سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئیں۔ ان کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کے صرف دو مورخ یعنی ابنِ اسعد اور حافظ ابنِ حجر ہی قائل ہیں۔ ان دو کے سوا باقی تمام سیرت نگار اس بات کے قائل ہیں۔ کہ

حضورؐ نے ان کو بطور ملک اپنے حرم میں رکھا۔اور نکاح نہیں کیا۔علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی بھی ان کے نکاح کے قائل نہیں ہیں۔

(10) حضرت ماریہ قبطیہؓ

آپ کو مصر کے حکمران نے بطور باندی سنہ ۶ ھ میں حضورؐ کی خدمت میں بھجوایا تھا۔اس وقت آپ ۱۸ سال کی تھیں۔آپ قبطی النسل مصری تھیں۔ان کے بطن سے حضورؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔جو جلد ہی وفات پا گئے۔

(11) حضرت ام حبیبہؓ

یہ سردارِ قریش ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت عثمان کی پھوپھی زاد تھیں۔یہ سنہ ۶ ھ میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ان کا پہلا نکاح عبداللہ سے ہوا تھا۔اور اس کے ساتھ ہی ہجرت حبشہ میں شریک تھیں۔عبداللہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا۔اور ام حبیبہ اپنی معصوم بچی حبیبہ کے ساتھ غریب الدیار ہو گئیں۔اس پر حضورؐ نے پیغام بھجوایا۔تو نجاشی نے حضورؐ کی طرف سے خود ۴۰۰ دینار مہر ادا کر کے وکیل کے ذریعہ آپ کا نکاح منعقد کروایا۔اور حضرت اُم حبیبہ کو آپؐ کے پاس بھجوا دیا۔ان کی بیٹی حبیبہ حضورؐ کی سرپرستی ہی میں پروان چڑھیں۔حضرت ام حبیبہ نے سنہ ۴۴ ھ میں بہ عمر ۷۳ برس مدینہ میں انتقال فرمایا۔اِن کا باپ ابوسفیان عمائدِ قریش میں سے تھا اور جنگ کا نشان اِس کے گھر میں رکھا ہوا تھا۔اور جنگِ احد، حمراء لاسد، بدرالاخریٰ میں خاص طور پر یہی محرک اور قائد تھے۔اس تزویج کے بعد کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف شامل نہیں ہوئے، بلکہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے۔

(12) حضرت صفیہؓ بنت حُیی ابن اخطب

سنہ ۷ھ میں جنگ خیبر میں جنگی قیدی بن کر آئیں۔ یہ چونکہ یہود خیبر کے قائد کی بیٹی تھیں، اس لئے آپؐ نے ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد فرمایا۔ اور خود نکاح کیا آپ نے حضورؐ کے ۴۰ برس بعد سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۶۰ برس تھی۔ شادی کے وقت ان کی عمر ۱۷ برس تھی۔ اور حضورؐ کی عمر مبارک ۶۰ برس تھی۔ حضورؐ کو آپ سے نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ اس نکاح سے پیشتر کفار کے مسلمانوں کے ساتھ جس قدر جنگ ہوئے، اِن میں یہود کا اعلانیہ یا خفیہ تعلق ضرور ہوتا تھا۔ مگر تزویجِ صفیہ کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

(13) حضرت میمونہؓ بنت حارث

ان کو اپنے خاوند سے سنہ ۷ھ میں طلاق ہوئی تو حضورؐ کے عقد نکاح میں آئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۲۷ برس تھی اور حضورؐ اس وقت ۶۰ برس کے تھے۔ یہ آپ کی آخری منکوحہ تھیں۔ انہوں نے سنہ ۵۱ھ میں بعمر ۷۱ برس وفات پائی۔ ان کی ایک بہن سردارِ نجد کے گھر میں تھی۔ اس نکاح سے پہلے اہلِ نجد نے ۷۰ واعظوں کو اپنے ملک میں لے جا کر غدر سے قتل کیا اور چند بار مزید نقصِ امن و فساد انگیزی بھی کی۔ اس نکاح نے ملک بھر میں صلح، امن اور اسلام پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے۔

ZIKR E HABIB

آلِ رسولؐ

حضورؐ کی ۴ بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ ان سب نے اسلام کا زمانہ پایا۔ اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں۔ بیٹوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دو بیٹوں حضرت قاسمؓ اور حضرت ابراہیمؓ پر سب سیرت نگار متفق ہیں۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ سب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطنِ مبارک سے تھے۔ حضرت طاہرؓ۔ حضرت طیبؓ۔ اور حضرت عبداللہؓ کا نام بھی ملتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور قاضی سلیمان منصور پوری کہتے ہیں کہ عبداللہؓ ہی کے لقب طاہرؓ اور طیبؓ تھے۔ سب سے پہلے حضرت قاسمؓ کی پیدائش ہوئی۔ غالباً نبوت سے ۱۱ برس پہلے۔ قاسم ۲ سال تک زندہ رہے۔ انکی نسبت سے آپ کی کنیت ابوالقاسم رائج ہوئی۔ حضورؐ کو یہ کنیت بہت پسند تھی اور آپؐ نے منع بھی فرمادیا کہ (ان کی زندگی میں) انکے علاوہ کوئی مسلمان یہ کنیت نہ رکھے۔ (البتہ اب آپ کی وفات کے بعد رکھنا جائز ہے)

حضرت زینبؓ

بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے خالہ زاد ابوالعاص سے ہوئی۔ جنگ بدر کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ کچھ عرصہ بعد ابوالعاص گرفتار ہو کر مدینہ پہنچے تو اسلام قبول کرلیا، اور انہیں بغیر دوبارہ نکاح کئے، پہلے ہی نکاح میں رخصت کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ بہت کم عرصہ زندہ رہیں۔ اور سنہ ۷ھ یا سنہ ۸ھ میں انتقال فرما گئیں۔ ان کی بیٹی امامہ سے حضور کو بہت محبت تھی نماز پڑھنے میں ساتھ رکھتے آپؐ نماز پڑھتے تو وہ آپؐ کے کندھوں پر سوار ہو جاتی۔ رکوع کے وقت آپؐ اتار دیتے، سجدے میں جاتے تو وہ پھر سوار ہو

ZIKR E HABIB

جاتیں۔ وہ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں بھی آئیں۔

حضرت رقیہؓ

اِن کی شادی قبلِ نبوت ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی۔ دعوتِ اسلام کے بعد ابولہب کے کہنے پر عتبہ نے رقیہ کو طلاق دے دی تو حضورؐ نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔ علالت کی وجہ سے فتح بدر کے دن وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ اِنہیں کی علالت کے باعث جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت اُمّ کلثومؓ

آپ کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہوئیں۔ سنہ ۳ ھ میں جنگ بدر کے بعد حضرت رقیہ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا گیا۔ نکاح کے چھ برس بعد سنہ ۹ ھ میں انتقال کیا، اور حضورؐ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ

آپ کے سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ خیال ہے کہ نبوت کے ۱ سال بعد پیدا ہوئیں۔ ۲ ھ میں آپ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر ساڑھے اکیس برس تھی۔ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ حضرت عثمان کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں بیچی۔ اور قیمت لا کر حضورؐ کے سامنے مہر کے طور ڈال دی۔ آنحضرتؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔ نکاح ہوا اور آنحضرتؐ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں، اور ایک مشک بھی دی۔ حضرت علیؓ الگ مکان لیکر حضرت فاطمہؓ کے ساتھ مقیم رہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی خانگی رنجش ہو جاتی تو حضورؐ دونوں میں صلح کروا دیتے۔ ایک مرتبہ

ZIKR E HABIB

حضرت علیؓ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا تو حضورؐ سخت برہم ہوئے۔ آپؐ نے مسجد میں خطبہ دیا اور کہا کہ میری بیٹی میرا جگر گوشہ ہے اگر اس کو دکھ پہنچے گا مجھے بھی تکلیف ہوگی۔ چنانچہ حضرت علیؓ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے رک گئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت فاطمہؓ کے پانچ بچے تھے۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت محسنؓ، حضرت ام کلثومؓ، اور حضرت زینبؓ۔ حضرت محسنؓ بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ باقی چاروں اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخِ اسلام میں مشہور ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ کی رحلت کے ٦ ماہ بعد انتقال فرمایا۔

حضرت ابراہیم

آنحضرت کی آخری اولاد ہیں۔ ذوالحج ٨ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ حضورؐ نے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔ اور اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا۔ ام سیف نے دودھ پلایا۔ آنحضرت ام سیف کے گھر جا کر حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے اور بوسہ دیتے۔ حضرت ابراہیم نے ام سیف ہی کے گھر 7 ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ حضور کو علم ہوا تو تشریف لے گئے۔ نزع کا عالم تھا گود میں اٹھالیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضورؐ نے خود جنازہ پڑھایا۔ عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند میں گرہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے جس روز ابراہیم نے وفات پائی چاند میں گرہن لگ گیا تھا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ یہ ابراہیم کی موت کا اثر ہے۔ آنحضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''چاند اور سورج، اللہ کی دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات سے ان میں گرہن نہیں لگ سکتا''۔

ZIKR E HABIB

حضورؐ کا حلیہ مبارک

آپؐ کا قد درمیانہ تھا۔ نہ زیادہ طویل قامت تھے نہ کوتاہ۔ بال قدرے گھنگریالے تھے۔ چہرہ کسی قدر گول تھا لیکن رخسار زیادہ پُر گوشت نہ تھے۔ آپ کا رنگ گورا گلابی تھا، نہ خالص سفید نہ گندمی۔ آنکھیں سیاہ، فراخ، اور سرخی مائل سرمگین، پلکیں لمبی، اور، داڑھی گھنی تھی۔ سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی لیکن باقی جسم بالوں سے خالی تھا۔ سَر کے بال سیاہ گھنگریالے ، لمبے، گھنے، اور دونوں کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔ شروع شروع میں بالوں میں مانگ نہیں نکالتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے۔ بازو اور کندھوں پر بال تھے، اور دونوں کندھوں کے درمیان بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس مُہرِ نبوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی تھی اور اس پر تلوں کا جمگھٹ تھا۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں پُر گوشت تھیں۔ آپ کی ہتھیلیاں کشادہ اور ملائم تھیں، پنڈلیاں پتلی اور ایڑیاں باریک تھیں۔ آپؐ چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور تیز رفتار سے چلتے تھے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہوں۔ سامنے کے دونوں دانت الگ الگ تھے۔ ناک اونچی تھی اور پیٹ سینہ سے آگے بڑھا ہوا نہیں تھا۔ آپؐ کا سر بڑا تھا، چہرہ پاکیزہ، کشادہ، اور پُر ملاحت تھا۔ چمکتا رنگ، نہ تو ند نکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے۔ زیبا، صاحبِ جمال۔ آواز میں قدرے بھاری پن، بلند گردن، تابناک چہرہ، باریک و پیوست ابرو۔ پسندیدہ خو، خاموش، باوقار، گویا دل بستگی لئے ہوئے۔ دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک اور پُر جمال، قریب سے نہایت خوبصورت و حسین۔ اجنبی آپ کو پہلی دفعہ دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، شناسا ہو جاتا تو محبت کرنے لگتا۔ شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی وبیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی۔ تروتازہ شاخ کی مانند خوش منظر۔ وفات کے وقت تک صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی آئی تھی، سَر کے چند بال سفید تھے اور ہونٹ کے نیچے داڑھی میں چند بال سفید ہوئے تھے۔

ZIKR E HABIB

حضورؐ کا لباس

لباس میں آپؐ سفید کپڑے کا کرتا پسند فرماتے تھے جس کی آستین گُٹے تک ہوتی تھی۔ ٹخنے ننگے رکھتے تھے۔ ایک بار تنگ آستین کا رومی جُبہ بھی پہنا۔ آپ یمنی چادر پسند فرماتے تھے۔ کبھی کبھی سیاہ اونی چادر بھی پہنتے۔ آپؐ جب عمامہ پہنتے تو شملہ دونوں شانوں کے درمیان چھوڑتے۔ کبھی کبھی بغیر شملہ کے بھی عمامہ پہنتے۔ آپؐ کے پاس دو سبز چادریں تھیں ایک سیاہ کھیس اور ایک سرخ دھاریوں والا کھیس بھی تھا۔ سردی میں اکثر اوقات کمبل، موٹا کھیس، یا موٹی چادر پہنتے۔ (حالانکہ صحابہ کو سونے کی تاروں والی دیبا کی قبائیں بھی تقسیم فرمائی ہیں)۔ حضورؐ چمڑے کا جوتا پہنتے جسمیں انگلیوں کے لئے دو تسمے ہوتے تھے۔ ایک دوہرا تسمہ جوتے کی پشت پر بھی ہوتا۔ آپؐ داہنے ہاتھ میں چاندی کی انگشتری بھی پہنتے جس میں عقیق جڑا تھا۔ بیت الخلاء جاتے وقت انگشتری نکال دیتے۔ مُہرِ نبوت والی انگوٹھی الگ محفوظ رکھی ہوتی۔

حضورؐ کے خدام

آپؐ کی ۱۰ اخادمائیں رہیں، ۳۰ غلام رہے، ۸ گھریلو اور ذاتی خدمتگار رہے، اور ایک خاتون آپ کی انگوٹھی سنبھالنے پر مامور رہی۔ (یہ سارے خدام بہ یک وقت موجود تھے یا انھوں نے مختلف اوقات میں خدمت کی؟ البتہ ان سب کے نام تاریخ میں ان خدمات کے حوالے سے محفوظ ہیں)

حضورؐ کے جانور

سواری میں آپ کے پاس سات گھوڑے تھے، پانچ خچر تھے، تین گدھے تھے، تین اونٹنیاں سواری کے لئے تھیں اور ۴۵ اونٹنیاں دودھ دینے والی تھیں۔ ۱۰۰ بکریاں تھیں جن کی تعداد زیادہ نہ ہونے دیتے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ایک بکری ذبح کر لیتے۔

ZIKR E HABIB

اخلاقِ عالیہ

اخلاق کا تعلق مظاہرے سے نہیں معاملے سے ہے، اور حضورؐ نے فرمایا ''میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کرنے آیا ہوں،، اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (یقیناً آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں)۔ آپؐ سب سے زیادہ جرأت مند تھے اور سخاوت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ فقر کا خوف کبھی دامنگیر نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ شجاعت ایسی کہ جب اچھے اچھے جانبازوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپؐ اپنی جگہ قائم رہے۔ نہایت نرم طبیعت، ہمیشہ سچ بولنے والے اور وعدے کے پکے تھے۔ آپؐ نہ ترش رُو تھے نہ لغو گو۔ آپؐ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے۔ قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ بُردباری، قوتِ برداشت، درگزر، اور صبر آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھے۔ حتیٰ کہ دشمنوں کی اِیذا رسانی جتنی بڑھتی گئی، آپ کے صبر و حِلم میں کمی کے بجائے اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا۔ آپؐ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ اگر غصہ آتا بھی تو جلد راضی ہو جاتے۔ آپؐ سب سے زیادہ حیادار اور پست نگاہ تھے۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہیں تھے۔ جب آپکو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتہ چل جاتا۔ آپ کسی کو کوئی سخت بات منہ پر نہ کہتے۔ اگر کسی دوسرے کی کوئی ناگوار بات آپ کو معلوم ہو جاتی تو نام لے کر اُس کا ذِکر نہ کرتے، بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ جب آپؐ خوش ہوتے تو چہرہ دمک اٹھتا اور جب غصہ آتا تو چہرہ سرخ ہو جاتا۔ آپ شروع ہی سے بلند ترین مرتبہ کے عادل، امین اور صادق تھے۔ حتیٰ کہ ایک بار ابو جہل نے بھی آپؐ سے کہا کہ ہم لوگ آپ کو جُھوٹا نہیں کہتے بلکہ آپ کے پیغامِ اسلام کو

جھٹلاتے ہیں۔ آپ تکبر سے دُور رہتے اور صحابہء کرام کو اپنے سامنے کھڑے رہنے سے منع فرماتے۔ صحابہ میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ مسکینوں کی بیمار پُرسی فرماتے، غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، اور غریبوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے۔ آپؐ کی گفتگو میں شائستگی اور شگفتگی ہوتی اور مطلب واضح ہوتا۔ الفاظ نکھرے نکھرے، فقرے واضح، اور، نداز بے تکلف ہوتا۔ آپؐ عرب کے ہر قبیلہ سے اُنہیں کی بامحاورہ زبان میں گفتگو فرماتے۔ بلا ضرورت نہ بولتے، اور جب بات کرتے تو شروع سے آخر تک ہر لفظ واضح ادا فرماتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے۔ ہر قوم یا قبیلہ کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے۔ لوگوں کی شرارتوں اور فتنوں سے محتاط رہتے اور اِن سے بچاؤ اختیار فرماتے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کا حال احوال دریافت فرماتے۔ غافل کبھی نہ ہوتے، ہمیشہ مستعد رہتے۔ اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مخصوص نہ فرماتے۔ مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی نصیحت فرماتے۔ آپ کی مجلس حِلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی۔ وہاں نہ آوازیں بلند کی جاتیں، نہ گپ بازی ہوتی تھی، اور نہ ہی کسی کی عزت پر حرف آتا تھا۔ اگر کوئی بات کر رہا ہوتا تو کوئی دُوسرا اُس وقت تک منہ نہ کھولتا جب تک پہلا اپنی بات مکمل نہ کر لیتا۔ آپ کسی کو شرمندہ نہ کرتے اور کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اگر کوئی شخص نامناسب بات کرتا تو بس منہ پھیر لیتے۔ کسی کا نقص نہ نکالتے اور کسی کی مذمت نہ فرماتے۔ اپنے آپ کو نمائش اور ریاء سے، چیزوں کی کثرت سے، اور بے معنی باتوں سے بچا کر رکھتے۔ زیادہ غصہ نہ فرماتے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اُس کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ آپ نرم خو تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ تشکر فرماتے تھے۔ کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا سامنے آجاتا تناول

فرما لیتے تھے، نہ برائی کرتے نہ تعریف۔کوئی اگر کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر آپ کو کبھی غصہ نہ آیا۔ اور نہ کسی سے کبھی کوئی انتقام لیا۔جنگِ بدر سے پہلے ہدایت فرمائی کہ دشمن کی لاشوں کو مسخ نہ کیا جائے (جو عرب میں عام تھا) اوران کے اعضاء اپنے پاس بطور یادگار رکھنے کے لیے قطع نہ کیے جائیں۔

انسان کے حالات کا واقف بیوی سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ بعثت کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح کو ۱۵ سال بیت چکے تھے۔ وہ آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں۔ ''خدا کی قسم، اللہ آپکو کبھی رسوانہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دردمندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق ک مصائب پر اعانت کرتے ہیں،،۔

اب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات ملاحظہ فرمائیے۔فرماتی ہیں۔

☆ آپؐ کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔
☆ آپؐ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے
☆ آپ کو جب دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو وہ اختیار فرماتے جو آسان ہوتی، بشرطیکہ گناہ نہ ہو۔
☆ آپؐ نے کبھی کسی سے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔
☆ آپؐ نے نام لیکر کبھی کسی پر لعنت نہیں کی۔

☆ آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت، اور کسی جانور کو ہاتھ سے نہیں مارا۔

☆ آپؐ نے کبھی کسی کی درخواست رد نہیں فرمائی جب تک وہ ناجائز نہ ہو۔

☆ آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو ہنستے اور مسکراتے ہوئے آتے۔

☆ آپؐ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔

☆ آپؐ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اِس طرح فرماتے تھے کہ اگر کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

☆ آپؐ اپنے جوتے خود ٹانکتے، اپنے کپڑے خود سی لیتے، اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے

ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ سے حضورؐ کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا تو حضرت علیؓ نے بتایا کہ:

☆ آپؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہرباں طبع تھے۔ سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے۔

☆ بات بات پر غصہ نہیں کرتے تھے اور کوئی برا کلمہ منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپکو ناپسند ہوتی تو اغماض برتتے تھے۔

☆ کوئی آپؐ سے امید رکھتا تو آپ اس کو ناامید نہیں کرتے تھے۔

☆ مزاج شناس آپؐ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔

☆ آپؐ نے ۳ چیزیں اپنے نفس سے بالکل دور کر رکھی تھیں۔

بحث ومباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا، جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔

☆ دوسروں کے بارے میں بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔

کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، اور، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔

☆ آپؐ بات صرف وہ کرتے جس کا کوئی مقصد یا نتیجہ نکل سکتا۔

☆ جب آپ کلام کرتے تو صحابہؓ اس طرح خاموش ہو کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

☆ لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے۔ جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے۔

☆ کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو فرماتا تو تحمل فرماتے۔

☆ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے۔ لیکن اگر کوئی احسان کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔

☆ جب تک خود بولنے والا چپ نہ ہو جاتا اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔

☆ نہایت فیاض۔ نہایت راستگو۔ نہایت نرم طبع۔ اور نہایت خوش صحبت تھے۔

ZIKR E HABIB

کامل شخصیت

امانت، دیانت، صداقت اور شجاعت آنحضور کی فطرتِ ثانیہ تھے۔ **امانت** دار ایسے تھے کہ مکہ کے مشرکوں کی امانتیں اس دن بھی آپ ہی کے پاس تھیں جس روز انہوں نے آپ کی جان لینے کا ارادہ کیا، اور حضور نے ہجرت فرمائی تو حضرت علی کو امانتوں کی پوری طرح تفصیل سمجھا کر گئے۔ **دیانت** کا یہ عالم تھا کہ کفارِ مکہ کی طرف سے تمام تر دشمنی کے باوجود بھی آپ کی دیانت پر کبھی انگلی نہیں اٹھائی گئی۔ **صداقت** اس سطح کی تھی کہ آپ نے دعوتِ اسلام دینے سے پہلے قریش سے اپنی صداقت کی علی الاعلان تصدیق چاہی تو انہوں نے بلا تامل شہادت دی کہ "ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا"۔ آپ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل کہا کرتا کہ محمد! میں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ آپ جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قبل از نبوت بھی آپ کی شخصیت کا وقار ایسا تھا کہ جب ابو جہل نے ایک تاجر کی رقم دبالی تو اس نے آپؐ کے پاس شکایت کی، اور آپؐ کے ایک دفعہ کہنے پر ابو جہل نے بلا چون و چرا وہ رقم ادا کر دی۔ **شجاعت** کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ مدینہ میں خطرہ کا احساس ہونے پر کچھ لوگ پتہ لگانے کے لیے نکلے تو آپ کو تنِ تنہا گھوڑے پر سوار شہر میں واپس داخل ہوتے پایا۔ اور آپ نے سب کو تسلی دی کہ میں پتہ لگا کر آ رہا ہوں، کوئی خطرہ نہیں آپ لوگ بے خطر گھروں کو واپس جائیں۔ آنحضورؐ بے خبر ملنگ یا درویش نہیں بلکہ ایک باخبر اور مستعد رہنما تھے جنہوں نے اپنی قوم کو ہر صورتحال میں بروقت اور موثر قیادت فراہم کی۔ اپنے اعلیٰ انسانی اوصاف و اقدار کی بنا پر قبل از نبوت بھی آپ ایک شریف، معزز اور معتبر شخصیت کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ آخری سانس تک آپ نے نمود و نمائش اور شان و شکوہ کو اپنی

زندگی میں جگہ نہیں دی۔ ہاں عطر نہایت نفیس استعمال فرماتے۔ صبر و تحمل اور بردباری درجہء کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ گوشت آپ کی زندگی میں ایک استثنائی غذا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دامن کو جھوٹ، حرص و ہوا اور بے صبری جیسی کمزوریوں سے پاک رکھا۔ ۶۳ سالہ زندگی میں کمزوری کا ایک بھی لمحہ لوگوں کی نظر سے نہ گزرا۔ آپ ﷺ کی تعلیم چونکہ قیامت تک باقی رہنے والی تھی اس لیے آپ کی ذات پاک کو مجموعہِ کمال بنا کر بھیجا گیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے بجا فرمایا کہ انسانی تاریخ ایسی کامل شخصیت کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ZIKR E HABIB

ایک کامل لیڈر

(دعوت، مزاحمت، اور غلبہ)

دعوت:

۴۰ برس تک مکہ میں ایک سنجیدہ، معزز، شریف، راست گو اور امانت دار آدمی کے طور پر معروف رہنے والے حضرت محمدؐ نے جب وحیِ الٰہی کے تحت لاتعداد دیوتاؤں کی بجائے صرف اللہ کے واحد اور احد ہونے کا درس دینا شروع کیا اور کہا کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے کہ تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں، اللہ ہی واحد خدا اور معبودیت کے لائق ہے، وہی اللہ جسے تم صدیوں سے خدائے برتر مانتے آرہے ہو۔ نیز یہ کہ ہم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اس دنیا کے اچھے یا برے اعمال کی جزا اور سزا پائیں گے۔ اس پر قریشِ مکہ بھپرا اٹھے۔ ان کے انکار یا کفر کی تین بڑی وجوہات تھیں: اولاً انسان کی روائت پرستی۔ وہ کہتے کہ ہمارے آباء واجداد صدیوں سے جو مذہب یا عقیدہ اختیار کیئے ہوئے ہیں اسے کیوں اور کیسے چھوڑ دیں۔ دوسری وجہ معاشی تھی۔ خانہ کعبہ تمام مشرکین کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا تھا، جس سے اہل مکہ کو کثیر آمدن ہوتی تھی۔ اس سے محرومی کا تصور ان کے لیے بڑا خطرہ تھا۔ تیسری وجہ حسد تھی کہ محمد کی بجائے ہم میں سے کسی کو کیوں یہ اعزاز نہیں بخشا گیا۔ ورنہ آپ نے کسی نئے معبود کا تصور تو پیش نہیں کیا تھا۔

مزاحمت:

لیکن جب حضور ﷺ نے توحید پر اصرار جاری رکھا کہ ایک اللہ کو معبودِ واحد اختیار کر کے جسدِ واحد بن جاؤ اور مضبوط ہو جاؤ، تو ان لوگوں نے تسلیم کی بجائے انکار کا، اور ایمان لانے والوں پر تشدد کا راستہ اختیار کر لیا۔ غریبوں اور غلاموں پر جسمانی تشدد کرتے، تاجروں اور معززین کو

ZIKR E HABIB

طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے۔ اس طرح مسلمانوں کی زندگی اس حد تک اجیرن کر دی کہ مسلمانوں نے دو گروہوں میں حبشہ کی طرف ہجرت کر لی جہاں ایک میانہ رو عیسائی حکمران تھا۔ عربوں کے حبشہ کے ساتھ تجارتی روابط موجود تھے۔ قریشِ مکہ مسلمانوں کے تعاقب میں وہاں بھی جا نکلے اور ان کی حبشہ بدری کی ناکام کوشش کر ڈالی۔ بعد میں آپؐ کے پیروؤں اور قبیلہ کا سماجی و معاشی بائیکاٹ کر کے ان کو تین سال کے لیے مکہ سے باہر ابو طالب کی گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ تین سال بعد جب مسلمان مکہ واپس لوٹے تو طویل صعوبتوں کی تاب نہ لا کر حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اور حضورؐ کے دونوں بڑے سہارے ٹوٹ گئے۔ قریشِ مکہ اب بھی ایمان لانے پر مائل نہ تھے، سو آپ نے مضافات کا رخ کیا۔ لیکن طائف والوں نے بھی بات ماننے کی بجائے اذیت کی انتہا کر دی۔ اس کے باوجود اپنے ذمہ لگائے گئے فرض کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے کا خیال کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی حضور کے دل میں نہ آیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کے عظیم اعزاز کے ذریعہ تقویت بخشی۔ نامراد مشرکینِ مکہ اس معجزہ کا بھی تمسخر اڑانے پر تل گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ ۱۳ نبوی میں حضورؐ کی جان لینے کا ناپاک منصوبہ بنا لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بر وقت خبردار کر دیا اور آپؐ حضرت ابو بکر صدیق کے ہمراہ یثرب کی طرف ہجرت فرما گئے جہاں کے عرب قبائل اوس و خزرج کے لوگ گذشتہ دو حج کے دوران آپ سے بیعت کر چکے تھے اور خواہشمند تھے کہ حضور یثرب تشریف لا کر عربوں کی قیادت سنبھالیں اور وہاں یہود کے غلبہ کا توڑ ہو سکے۔ ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے مال و اسباب لوٹ لیے اور گھر بار پر قبضہ کر کے مدینہ میں یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ یہ ہمارے مفرور، اور بے یار و مددگار لوگ ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ مہاجرین کو مدینہ میں معزز حیثیت اختیار کرنے کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں۔ جب

انہوں نے مدینہ میں بھی مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو بالآخر ہجرت کے ۸ یا ۹ ماہ بعد مسلمانوں کو اپنی دھاک بٹھانے کا حکم دے دیا گیا، اور مسلمان شاہسوار چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ان کے تجارتی قافلوں کو ڈرانے دھمکانے لگے۔ نتیجہ میں وہ لوگ اپنے قافلوں کا ساتھ محافظوں کی بھاری تعداد رکھنے اور طویل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے سفر پر زیادہ وقت اور پیسہ خرچ ہونے لگا، اور انہیں مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی قوت کا احساس بھی ہونے لگا۔

غلبہ:

آپکی تشریف آوری کے بعد یثرب کا نام مدینۃ النبی پڑ گیا جو کثرت استعمال سے صرف مدینہ مشہور ہو چکا ہے۔ مدینۃ النبی آ کر حضورؐ نے مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی، باجماعت نمازِ جمعہ شروع ہوئی زکوٰۃ فرض ہوئی اور آپ نے تیزی سے عمرانی معاہدات کرنے اور سماجی و تنظیمی اصلاحات پر توجہ دینا شروع کی، اور تاریخِ انسانی کا پہلا تحریری آئین نافذ کر کے ایک ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ لیکن کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہودِ مدینہ کے ساتھ ساز باز کر کے اندرونی خلفشار پیدا کرتے رہے اور فوجی حملے کر کے بیرونی طور پر مسلسل خطرہ بنے رہے۔ سن ۲ ہجری میں جنگ بدر، سن ۳ ھ میں جنگ احد، اور سن ۵ ہجری میں جنگ خندق کفار کے درجنوں حملوں میں سب سے بڑے حملے تھے۔ اس دوران یہودِ مدینہ پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مواقع کی تلاش میں رہتے اور مسلسل سازشیں کرتے رہتے تھے۔ احد کی جنگ کے لیے جاتے جاتے ساتھ چھوڑ کر راستے سے واپس آ گئے اور جنگ خندق کے موقع پر تو ان کا رویہ ناقابل برداشت ہو گیا۔ نتیجہ کے طور پر یہود کو مدینہ بدر ہونا پڑا۔ سن ۶ ہجری میں عمرہ کے لیے جاتے والے مسلمانوں کو قریشِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا لیکن دراصل وہیں سے حالات نے رخ بدلنا شروع کیا۔ حدیبیہ میں کفارِ مکہ نے مسلمانوں کا جو عالم دیکھا، اس

ZIKR E HABIB

نے ان کے دلوں میں خوف موجزن کر دیا، اور صلح حدیبیہ کی شرائط فتحِ مبین کی ابتدا ثابت ہوئیں۔ ادھر مدینہ سے نکالے جانے والے یہود شمال میں خیبر کے قلعوں میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ سن ۷ ہجری میں اللہ نے خیبر پر فتح دے کر یہود کے فتنہ فرو کرنے کے علاوہ کفار کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ سن ۷ ہجری میں مسلمانانِ مدینہ نے عمرہ کیا اور ۸ ہجری میں اللہ نے ایسی شان وشوکت سے مکہ فتح کرایا کہ حضور اکرمؐ جو صرف ایک ساتھی کے ہمراہ رات کو چھپ کر مکہ سے نکلے تھے، دس ہزار مسلمانوں کی فوج ظفر موج کے ہمراہ پرامن طور پر فاتحِ مکہ بن کر داخل ہوئے۔ اور اُسی ابوسفیان نے خود پرامن قبضہ کا راستہ ہموار کیا جو بار بار مدینہ پر فوجی حملے کرتا رہا تھا۔ فتح مکہ کے وقت دنیا نے ہمارے حبیب ﷺ کا اصل روپ دیکھ لیا۔ آپ کے خون کے پیاسے جب مغلوب ہو کر آپ کی تلوار کی زد میں تھے تو دنیا نے "**لاتثریب علیکم الیوم**" کا حیران کن اعلان سنا کہ، جاؤ آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ انسانی تاریخ کا یہ فقید المثال اعلان دراصل قیامت تک کے لیے مہذب انسانوں کے معاشرتی اور جنگی رویوں میں تبدیلی کا اعلان تھا۔ فتح مکہ کے بعد مدینہ واپسی سے پیشتر طائف بھی اللہ نے آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا جہاں سے گیارہ سال قبل آپ لہولہان، تنِ تنہا مایوس لوٹے تھے۔ اس سے اگلے سال سن ۹ ھ میں حج فرض ہوا اور مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں اجتماعی حج ادا کیا۔ اس موقع پر مشرکین کا مکہ میں قیام یا داخلہ تا قیامت ممنوع قرار پایا۔ اب آس پاس کے قبائل پر بھی اللہ کے دین کی حقانیت عیاں ہونا شروع ہوگئی اور وہ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تا آنکہ سن ۱۰ ہجری میں رسول اللہؐ نے پوری شان سے ۱۲۴،۰۰۰ (یا ۱۴۴،۰۰۰) مسلمانوں کے ہمراہ حج بیت اللہ ادا فرمایا، اپنے مشن کی تکمیل کا اعلان فرمایا، سب ساتھیوں سے بہ آوازِ بلند شہادت دلوائی، اور مشہور خطبہ حجۃ الوداع

ZIKR E HABIB

میں انسانی حقوق کے عظیم چارٹر کا اعلان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی **"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"** کی اطلاع دے دی۔ مدینہ واپسی پر شام کی مہم تیار فرمائی لیکن اس دوران آپ کو دنیا سے واپسی کا حکم ہوا تو **"اللہ رفیق الاعلیٰ"** فرماتے ہوئے اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

ہم دیکھتے ہیں کہ کفار کا انکار جب اپنی حدود سے نکل کر ظلم اور اذیت کی انتہا تک پہنچ گیا تو بھی آپؐ کے پائے استقلال میں لغزش کا شائبہ تک پیدا نہیں ہوا۔ اور جب ریاست کی تشکیل کا موقع میسر آیا تو ایسے قوانین اور قواعد وضوابط مرتب ہوئے جو قیامت تک پر امن اور باوقار انسانی معاشروں کی بنیاد رہیں گے۔ اللہ نے اپنے دین اور اپنے محبوب کو ایسا غالب کیا کہ دنیا دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ یہ ہوتی ہے ایک کامل لیڈر کی شان۔

ZIKR EHABIB

سادہ طرزِ زندگی

آپ کی زندگی میں حجاز، جزیرہِ عرب اور عراق وشام کے نواحی علاقے فتح ہو چکے تھے۔ حیاتِ طیبہ کے دورِ آخر میں عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ وصدقات کے خزانے چلے آتے تھے۔ خمس اور صدقات بھی حاضر کیے جاتے تھے، مگر امیرِ عرب کے گھر میں وہی فقر اور وہی فاقہ تھا۔ اس سب کو صرف اللہ کی راہ پر خرچ کرتے۔ جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی تو آپ کے پاس صرف جسم پر ایک تہہ بند، ایک کھردری چارپائی، سرہانے کھجور کی چھال سے بھرا ایک تکیہ، تھوڑے سے جَو، ایک جانور کی کھال، اور پانی کے مشکیزے تھے۔ یہ تھا زہد وقناعت کی تعلیم کے ساتھ آپ کا عمل۔ ازواجِ مطہرات کے اخراجات کے لئے بنونضیر کے نخلستان میں حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ جس کی فصل سے سال بھر کا خرچہ چلتا۔ فتح خیبر کے بعد فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جَو بھی سالانہ مقرر ہو گیا۔ (ایک وسق ۱۵۰، یا بقول مولینا اشرف علی تھانوی ۲۰۰ کلوگرام تقریباً)۔ انتظامات حضرت بلال کے ذمہ تھے۔ آپکے حرم میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ۹ ازواج مطہرات تھیں۔ اُن میں سے اکثر خوشحال اور معزز گھرانوں سے متعلق تھیں اور ناز ونعمت میں پلی تھیں۔ لطیف غذاؤں اور فاخرہ لباسوں کی عادی رہ چکی تھیں۔ لیکن اس سب کے باوجود حضورؐ نے اپنی ذات کی طرح ان سب کو بھی انتہائی سادگی کا خوگر بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے محبوب تھیں۔ لیکن انھیں بھی کنگن پہنے ہوئے دیکھا تو ٹوک دیا۔ تمام اہل وعیال کو ریشمی لباس اور سونا استعمال کرنے کی ممانعت تھی۔ حضرت فاطمہ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ لیکن ان کو حضور کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں ہوا۔ چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے، مشک میں پانی

ZIKR E HABIB

بھر بھر کر لانے سے سینے پر گٹے پڑ جاتے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میل سے اَٹ جاتے اور چولہے کے پاس بیٹھے بیٹھے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے۔ ایک دفعہ مالِ غنیمت آیا تو آپؐ سے اپنی کیفیت بیان کر کے خدام طلب کیئے۔ سرکارِ دو عالم نے مال یا خدام عطا فرمانے کی بجائے رات سونے سے قبل ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر وظیفہ کرنے کی تلقین فرمائی، اور دنیا کی بجائے آخرت پر نظر رکھنے کی نصیحت کر کے تشفی فرما دی۔

ZIKR E HABIB

حرفِ آخر

اس مطالعہ کے بعد یہ سمجھنے میں کوئی دِقت نہیں رہتی کہ حضورنبی کریم ﷺ کے مشن کا مقصد کسی بھی طرح ذاتی مفاد، اقتدار، یا عیش وسہولت نہ تھا۔ بلکہ خالقِ کائنات نے حضور کو قیامت تک کے لئے انسانی معاشرہ کی اصلاح کی خاطر ایک نظام ترتیب دینے، اوراس کی عملی تشکیل کر کے دکھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اور، حضورﷺ یہ فریضہ سرانجام دینے میں کمال بے غرضی اور کامیابی کے ساتھ سرخرّو ہوئے، اوررخصت ہونے سے پہلے یہ اعلان فرما گئے کہ لوگو! گواہ رہنامیں نے اپنافرض ادا کر دیا ہے۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد ۔کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم۔ انک حمید مجید۔

(اگلے باب میں حضورﷺ کی حیات طیبہ کے اہم واقعات کاایک تاریخ وار گوشوارہ شامل ہے)

تیسرا باب

حیات طیبہؐ کے اہم سنگِ میل
ایک نظر میں

یہ گوشوارہ اکابر کی مرتب کردہ سیرۃ النبیؐ کی بلند پایہ اور مصدقہ کتب سے اخذ کیا گیا ہے

ZIKRE HABIB

حیاتِ طیبہؐ کے اہم سنگِ میل مرحلہ وار، تاریخ وار

شمار	واقعہ	بہ عمر	بروز
۱	ولادت باسعادت (بعد از صبح صادق)		سوموار
۲	عقیقہ		اتوار
۳	دائی حلیمہ سے واپس والدہ کے پاس آ گئے	۴	
۴	والدہ ماجدہ، حضرت آمنہ کا انتقال	۶	
۵	دادا، حضرت عبدالمطلب کا انتقال	۸	
۶	اولین سفرِ تجارت	۱۲	
۷	حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح ہوا	۲۵	
۸	انجمن برائے امن وحقوق قائم فرمائی	۳۳	-
۹	حجرِ اسود کی تنصیب کا واقعہ	۳۵	سوموار
۱۰	کبھی کبھی روشنی اور چمک نظر آنا شروع ہوئی		
۱۱	بعثتِ نبوت۔ پہلی وحی	۴۰	سوموار
۱۲	نمازِ فجر وعصر فرض ہوئی	۴۰	سوموار
۱۳	آغازِ نزولِ قرآن مجید	۴۰	بدھ
۱۴	صحابہ کی حبشہ کو ہجرت	۴۵	

تاریخ	سنہ	عیسوی تاریخ	کیفیت
۹ یا ۱۲ ربیع الاول	عام الفیل	۲۰/۲۲ اپریل ۵۷۱ء	ہاتھی والوں (ابرہہ) کے حملہ کے ۵۰ دن بعد
۱۶ ربیع الاول	عام الفیل	۲۹ اپریل ۵۷۱ء	داداجان نے قربانی اور دعوت کی
		۵۷۵ء	دو برس والدہ کی گود میں رہے
		۵۷۷ء	اور داداجان نے سنبھال لیا
		۵۷۹ء	چچا ابوطالب نے پرورش سنبھال لی
		۵۸۳ء	چچا ابوطالب کے ساتھ
		۵۹۶ء	خدیجۃ الکبریٰ کی عمر ۴۰ سال تھی، بیوہ تھیں۔
-	-	-	نوجوانوں کی یہ انجمن آپ نے یہ قائم فرمائی
		حرم کی تعمیرِ نو کے وقت	اسطرح ایک بڑی لڑائی ٹل گئی
		بعثت سے پہلے سالوں میں	لیکن کوئی آواز یا شکل نہ ہوتی
۹ ربیع الاول	۱ نبوی	۱۲ فروری ۶۱۰ء	
۹ ربیع الاول	۱ نبوی	۱۲ فروری ۶۱۰ء	
۱۷ رمضان	۱ نبوی	۱۲ اگست ۶۱۰ء	
۱۷ رجب	۵ نبوی	اپریل ۶۱۴ء	

ZIKR E HABIB

حیاتِ طیبہؐ کے اہم سنگِ میل مرحلہ وار، تاریخ وار

شمار	واقعہ	بہ عمر	بروز	تاریخ	سنہ	عیسوی تاریخ	کیفیت
۱۵	حضرت حمزہ اور حضرت عمر کا قبولِ اسلام	۴۶			۶ نبوی		پہلے حضرت حمزہ، اور ۳ دن بعد حضرت عمر
۱۶	بنو ہاشم شعبِ ابی طالب میں محصور ہوئے	۴۷-۴۹	منگل	۱ محرم	۷ نبوی	۳۰ ستمبر ۶۱۵ء	بائیکاٹ کیوجہ سے ۳ سال گھاٹی میں محصور رہے
۱۷	وفات حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب	۵۰			۱۰ نبوی	۶۱۹ء	اسی لئے یہ سال عام الحزن کہلایا
۱۸	حضرت سودہ سے نکاح	۵۰			۱۰ نبوی	۶۱۹ء	آپ بیوہ خاتون تھیں۔ عمر ۳۰ سال تھی
۱۹	سفرِ طائف	۵۰		جمادی الثانی	۱۰ نبوی	فروری ۶۱۹ء	
۲۰	معراج اور پانچ نمازوں کی فرضیت	۵۰	سوموار	۲۶ رجب	۱۰ نبوی	۱۹ مارچ ۶۱۹ء	
۲۱	حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت ابو بکر صدیق سے نکاح	۵۰			۱۰ نبوی	کنواری لیکن کم عمر تھیں۔	رخصتی ۳ سال بعد، مدینہ جا کر ہوئی
۲۲	پہلی بیعتِ عقبہ (مدینہ والوں کے ساتھ)	۵۲	-	ذوی الحج	۱۲ نبوی	جولائی ۶۲۱ء	
۲۳	دوسری بیعتِ عقبہ	۵۳		ذوی الحج	۱۳ نبوی	جون ۶۲۲ء	
۲۴	مکہ سے ہجرت اور غارِ ثور میں داخلہ	۵۴	جمعرات	۲۷ صفر	۱۴ نبوی	۱۲ ستمبر ۶۲۲ء	
۲۵	مدینہ طیبہ میں داخلہ	۵۴	سوموار	۱۲ ربیع الاو	۱ ھ	۴ اکتوبر ۶۲۲ء	
۲۶	بنیاد مسجد نبوی	۵۴	سوموار	ربیع الاول	۱ ھ	اکتوبر ۶۲۲ء	
۲۷	پہلی با جماعت نمازِ جمعہ، ہمراہ ۱۰۰ اصحابہ	۵۴	جمعہ	۲۷ ربیع الاول	۱ ھ	۸ اکتوبر ۶۲۲ء	
۲۸	ظہر، عصر، عشاء کی رکعتوں میں اضافہ	۵۴		ربیع الثانی	۱ ھ	اکتوبر ۶۲۲ء	پہلے دو رکعت ہی تھیں

ZIKR E HABIB

حیاتِ طیبہؐ کے اہم سنگِ میل مرحلہ وار، تاریخ وار

شمار	واقعہ	بہ عمر	بروز	تاریخ	سنہ	عیسوی تاریخ	کیفیت
۲۹	حضرت حفصہؓ بنت عمر سے نکاح	۵۵			۲ھ	حضرت عمر بن خطاب کی بیٹی	آپ بیوہ تھیں۔ عمر ۱۸ سال تھی
۳۰	زکوٰۃ فرض ہوئی	۵۵		رمضان	۲ھ	فروری ۶۲۴ء	
۳۱	اذان شروع ہوئی	۵۵			۲ھ		
۳۲	تحویلِ قبلہ۔ بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ	۵۵	ہفتہ	۱۵ شعبان	۲ھ	۱۰ فروری ۶۲۴ء	نماز کے دوران حکم نازل ہوا اور رخ پھیر لیا گیا
۳۳	فرضیت کے بعد رمضان کا پہلا روزہ	۵۵	اتوار	۱ رمضان	۲ھ	۲۶ فروری ۶۲۴ء	
۳۴	جہاد فرض ہوا	۵۵		رمضان	۲ھ	فروری ۶۲۴ء	
۳۵	جنگ بدر کا دن	۵۵	منگل	۱۷ رمضان	۲ھ	۱۳ مارچ ۶۲۴ء	حملہ آور گیارہ سو تھے اور مسلمان صرف ۳۱۳
۳۶	شراب کی حرمت	۵۶			۳ھ	۶۲۵ء	
۳۷	حضرت زینب ام المساکین سے نکاح	۵۶			۳ھ	دو سال بعد فوت ہوگئیں	آپ بیوہ خاتون تھیں۔ عمر ۳۰ سال
۳۸	جنگِ احد	۵۶	ہفتہ	۷ شوال	۳ھ	۶۲۵ء	حملہ آور ۳۰۰۰ جنگجو اور ۱۵۰۰ عورتیں۔ مسلمان ۷۰۰
۳۹	حکمِ حجاب نساء	۵۷	جمعہ	۱ ذی قعدہ	۴ھ	۴ اپریل ۶۲۶ء	
۴۰	حضرت اُمِ سلمہ سے نکاح	۵۷			۴ھ	سب ازواج کے بعد وفات	آپ بیوہ خاتون تھیں۔ عمر ۲۵ سال تھی
۴۱	بنو نضیر کی مدینہ بدری	۵۷			۴ھ		
۴۲	جنگِ احزاب اور بنو قریظہ کا قتل	۵۸		ذی قعدہ	۵ھ		حملہ آور دس ہزار تھے، مسلمان تین ہزار

ZIKR E HABIB

شمار	واقعہ	بہ عمر	بروز
۴۳	حضرت زینب بنت جحش سے نکاح	۵۸	
۴۴	حضرت جویریہؓ سے نکاح	۵۸	
۴۵	صلحِ حدیبیہ	۵۹	
۴۶	حضرت ریحانہؓ سے نکاح	۵۹	
۴۷	حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان سے نکاح	۵۹	
۴۸	حضرت ماریہ قبطیہ سے نکاح	۵۹	
۴۹	سلاطین عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط	۶۰	بدھ
۵۰	جنگِ خیبر	۶۰	
۵۱	حضرت صفیہؓ بنت حئی سے نکاح	۶۰	
۵۲	حضرت میمونہؓ سے نکاح	۶۰	
۵۳	فتح مکہ	۶۱	بدھ
۵۴	جنگِ حنین	۶۱	
۵۵	فرضیتِ حج	۶۲	
۵۶	اولین حج، جوصدیقِ اکبر کی قیادت میں ہوا	۶۲	سوموار

ZIKR E HABIB

تاریخ	سنہ	عیسوی تاریخ	کیفیت
	۵ ھ	سب سے پہلے وفات پائی	آپ نے پہلے شوہر سے طلاق لی تھی، عمر ۳۸ سال
	۵ھ		آپ بیوہ خاتون تھیں۔ عمر ۲۰ سال
	۶ھ		
	۶ ھ	کچھ مورخین باندی سمجھتے ہیں	آپ مطلقہ تھیں، عمر ۲۰ سال تھی
	۶ ھ	مولینا تھانوی ۴ھ کہتے ہیں	بیوہ تھیں، عمر ۳۵ برس تھی۔
	۷ھ	مصر کے بادشاہ نے بھجوائی تھیں	کنواری تھیں۔ عمر ۱۸ سال۔ مورخ باندی کہتے ہیں
یکم محرم	۷ ھ	۱۱ مئی ۶۲۸ء	
	۷ھ		
	۷ھ		آپ بیوہ تھیں، عمر ۱۷ سال تھی۔
	۷ھ		آپ بیوہ تھیں، عمر ۲۷ سال تھی
۲۰ رمضان	۸ ھ	۱۰ جنوری ۶۳۰ء	
شوال	۸ھ		اسلامی لشکر ۱۲۰۰۰ تھا
	۹ ھ	جنوری ۶۳۱ء	
۹ ذوی الحج	۹ ھ	۱۸ مارچ ۶۳۱ء	

حیاتِ طیبہؐ کے اہم سنگِ میل مرحلہ وار، تاریخ وار

۵۷	رسول اللہ کا حجۃ الوداع اور آخری خطبہ	۶۳	جمعہ
۵۸	ابتدائے مرض نبوی	۶۳	سوموار
۵۹	وفاتِ نبویؐ	۶۳	سوموار
۶۰	تدفین پیکرِ اطہرؐ	۶۳	منگل بوقت شام

ZIKR E HABIB

مرحلہ وار، تاریخ وار

۹ ذوی الحج	۱۰ ھ	۶ مارچ ۶۳۲ء	۱۲۴،۰۰۰ یا ۱۴۴،۰۰۰ مسلمان حجاج ہمراہ تھے
۲۹ صفر	۱۱ ھ	۲۴ مئی ۶۳۲ء	
۱۲ ربیع الاؤل	۱۱ھ	۶ جون ۶۳۲ء	
۱۳ ربیع الاؤل	۱۱ ھ	۷ جون ۶۳۲ء	اس طرح حضور ﷺ نے ۶۳ سال 4 دن عمر پائی

اکثر محققین متفق ہیں کہ ولودِ مسعود بروز سوموار ہوا۔ جو ۹ ربیع الاول کو بنتا ہے ۱۲ کو نہیں۔ "الرحیق المختوم" صفحہ ۸۳، رحمۃ اللعالمین" صفحہ ۶۲ اور "سیرۃ النبی" صفحہ ۱۱۸ میں یہی تاریخ درج ہے۔ البتہ مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے۔ اسی طرح یومِ وفات سوموار پر سب متفق ہیں اور ۱۲ ربیع الاول معروف ہے، علامہ منصور پوری نے "رحمۃ اللعالمین" صفحہ ۳۳۸ اور مولینا مبارک پوری نے "الرحیق المختوم" صفحہ ۸۳ پر ۱۲ ربیع الاول ہی تحریر فرمائی ہے۔ لیکن سید سلیمان ندوی اور علامہ شبلی نعمانی نے شہرہ ءآفاق "سیرۃ النبی" میں صفحہ ۸۷۴ پر تفصیلی تحقیق کے بعد یکم ربیع الاول بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہمیں علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اور مولیٰنا صفی الرحمان مبارک پوری جیسے بزرگوں کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ہماری سہولت کے لیے عام فہم زبان میں یہ ذخیرہ مرتب کر دیا۔

محمد بشیر ہرل ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء۔ ۶ ربیع الاؤل ۱۴۳۲ھ

عربوں کے ۱۴ مشہور بتوں کے محل وقوع

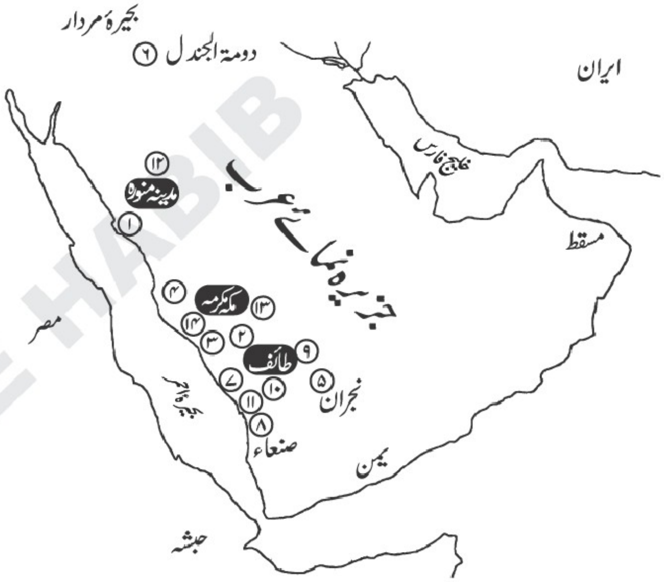

وہ بت جن کا ذِکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

① سواع ② عزّیٰ
③ لات ④ مناۃ
⑤ نسر ⑥ وَد
⑦ یعوق ⑧ یغوث

مندرجہ ذیل بتوں کا ذِکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

⑨ اساف ⑩ ذوالخلاصہ
⑪ ذوالشریٰ ⑫ ذوالکفلین
⑬ نائلہ ⑭ ہُبل

تشکر

پہلے ایڈیشن کی پذیرائی توقع سے بڑھ کر ہوئی۔ متعدد خواتین وحضرات نے بذریعہ ٹیلی فون وانٹرنیٹ ستائش فرمائی۔ اہل علم نے بالخصوص بہت حوصلہ افزائی کی۔ میں سب کا شکرگزار ہوں، لیکن خاص طور پر کرنل اویس بٹ صاحب پرنسپل جوائنٹ فورسز کیڈٹ کالج ملتان، محترمہ ام دانش صاحبہ پرنسپل الہدیٰ انٹرنیشنل صادق آباد، راولپنڈی اور پروفیسر قاری ڈاکٹر محمد طاہر صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔

ZIKR E HABIB